ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۴-۱۱ نومبر ۱۹۷۱ء

سُرخ پرچم اب اقوام متحدہ پر

امریکہ - مجیب اور دولتانہ کی
مرکزی حکومت چاہتا ہے

[illegible]
[illegible]

شیریں

کون تھی ——؟

مولوی فرید احمد کی کتاب
"ابر آلود سورج"
کے سنسنی خیز انکشافات

قیمت : —— ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے :- ۵، پیسے

U.N.

庆祝无产阶级文化大革命的伟大胜利

ANWAR SAMI-71

شبِ تجدیدِ عہد

صفدر سلیم سیال

اپنے ترکش میں سجائے ہُوئے مہتاب، ستارے کے حسیں تیر
رات اِک مژدۂ جاں سوز لیے آج اُتر آئی ہے
ابھی کچھ دیر میں فرماں کوئی جاری ہوگا
صفِ ایّام میں بکھرے ہوتے غم جاگیں گے
آج ہر شخص ہتھیلی پہ سجائے ہُوئے زخموں کے دیئے لائے گا
کروٹیں لے گی زمیں اور فلک دیکھے گا
سالہا سال سے پلتے ہُوئے انسانوں کے
قافلے آ کے شہیدوں کو سلامی دیں گے
جن کا پُرنور لہُو وقت کے شیرازے میں
آج بھی زندہ و تابندہ ہے!
یہ لہُو سب سے یہی پوچھے گا
کس لئے چاٹتے پھرتے ہو لہو آج بھلا اپنی تمنّاؤں کا؟
تم نے چوبیس برس پہلے کبھی عہد کیا تھا لوگو!
طاقِ نسیاں پہ جسے تم نے سجا رکھا ہے
آؤ اس عہد کی تجدید کرو!
کون سا عہد؟
کہ اِس ملک میں کوئی بھی ستمگار نہ رہنے پائے
خونِ مزدور پہ پلتا ہُوا زردار نہ رہنے پائے
بندہ و آقا میں حائل کوئی دیوار نہ رہنے پائے
وطنِ پاک میں باقی کوئی غدّار نہ رہنے پائے
آج اِس عہد کا اعلان کرو!
سب کو جاری یہی فرمان کرو!!

بلامقابلہ انتخاب — حاصل کیا ہوگا؟

مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے امیدواروں کی اکثریت کی بلامقابلہ جیت نے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی ساکھ کو مزید نقصان پہنچایا ہے۔ اس سے پارلیمانی انتخابات کے بارے میں بہت سے لوگوں کی خوش فہمیاں دُور ہوگئی ہیں۔ مغربی جمہوریت کا وہ تصوّر بھی ختم ہوگیا ہے جس کے ذریعے سرمایہ داری نظام، جاگیردارانہ قیادت اور نوکر شاہی کو مسلّط رکھنے کے لئے عوام کی شرکت کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے جس میں مظلوم اور بھوکے ننگے عوام اپنے نمائندوں کے طور پر بڑے بڑے جاگیرداروں، بڑے کارخانے داروں اور اُن کے مفادات کے نگہبانوں کو منتخب کرتے ہیں۔ وقتی طور پر امیدوار ہر جگہ عوام، عوام کی رٹ لگاتے ہیں۔ اُن کی مجبوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں، اور جیتنے کے بعد عوام کو ہی تختۂ مشق بناتے ہیں۔

مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں جو کچھ ہُوا ہے یا ہوگا، وہ پارلیمانی انتخابات ضرور ہیں لیکن اِن میں عوام کو شریک نہیں کیا گیا۔ عوام نے بلامقابلہ منتخب ہونے والوں کے نام ریڈیو پر سُن لئے ہیں۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جو اِن انتخابات کے دَوران اپنے حلقہ انتخاب تک نہیں گئے۔ بلکہ بیرونی ممالک، ڈھاکہ اور اسلام آباد کے درمیان سفر کرتے رہے ہیں۔ اُن میں سرفہرست پاکستان جمہوری پارٹی کے محمود علی ہیں جو بلامقابلہ منتخب ہوگئے ہیں۔ انہوں نے نیویارک جانے سے پہلے اعتراف کیا کہ وہ اپنے انتخابی حلقے میں نہیں جا سکے۔

بلا مقابلہ منتخب ہوتے والے افراد کا انتخاب کس نے کیا ہے؟ یہ کوئی بہت بڑا معمہ نہیں۔ وہ طاقت یا طاقتیں صاف نظر آرہی ہیں جو ملک کی اکثریتی آبادی کے اس صوبے کے سیاہ و سفید کی مالک بنی بیٹھی ہیں۔ ان کے فرمان چلتے ہیں۔ وہ غیریقینی حالات میں ببّر شیر کے چہروں میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ یہ طاقتیں جو کچھ کہتی ہیں وہی ہوتا ہے۔ مشرقی پاکستان کے عوام نے جنھیں مسترد کر دیا تھا آج اس کرشمے کی بدولت وُہی "ضمانت ضبط فیم" خود ساختہ رہنما قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے ارکان بن گئے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ انتخابات ملکی مفاد کے سراسر منافی ہیں۔ بلامقابلہ منتخب ہونے والوں کو مشرقی پاکستان کے عوام کا ہرگز ہرگز اعتماد حاصل نہیں یہ "مشولواتے" ملکی استحکام، علاقائی اتحاد اور مضبوط مرکز کی کوئی خدمت انجام نہ دے پائیں گے۔ ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ عوام نے ان پر اعتماد نہیں کیا۔ عوام اُن کی کسی بات کو ماننے کے پابند نہ ہوں گے۔ اُن کے نزدیک اُن کی حیثیت سول سروس کے منتخب ملازمین سے زیادہ نہ ہوگی۔ وہ بخوبی آگاہ ہیں کہ انہیں بھی اسی طرح سے نامزد کیا گیا ہے، جس طرح سرکاری احکام بجا لانے والے دُوسرے کارندوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

ملک کا چپہ چپہ عوام کی ملکیت ہے، نوکر شاہی اپنی ہر شکل میں عوام کی خادم ہے، اُسے چاہیے کہ وہ اپنے وجُود کو برقرار رکھنے کے لئے عوام کی خواہشات کا احترام کرے۔ عوام ہی اقتدارِ اعلیٰ کے حقدار ہیں۔ اُن کو نفی کرکے کوئی بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ ضروری ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کے فیصلوں کو مان لیا جائے۔

خُداکی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد: — ۲ شمارہ: — ۲۵

۴ - ۱۱ نومبر ۱۹۷۱ء

نگران
شوکت صدّیقی
محمود شام

مدیر
ارشاد راؤ

معاونینِ خصوصی
ابراہیم جلیس، افضل صدّیقی، عبدالحمید چھاپرا

مجلسِ ادارت
وہاب صدّیقی - نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر
غلام نبی بزمی

عکاس: الطاف رانا

بدلِ اشتراک — فی پرچہ: ۵۰ پیسے — سالانہ: ۲۵ روپے — ششماہی: ۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے: ۷۵ پیسے — ۳۰ روپے — ۱۶ روپے
بحرین، کویت: - ۶۰ فلس دوبئی قطر: ۷۵ درم
سعودی عرب: ۱۵ قرش - انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقامِ اشاعت
ہفت روزہ الفتح، ۸۰ ڈی، نرسری کمرشل ایریا
پی، ای - سی - ایچ - ایس کراچی - ۲۹

ایڈیٹر پبلشر: - ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد - کراچی

سرورق: — انور سمیع

ابر آلود سورج : مصنف - مولوی فرید احمد

الطاف گوہر نے ایوب خان کے زوال کا منصوبہ بنایا تھا

مولوی فرید احمد کی تازہ تصنیف میں قومی رہنماؤں کے بارے میں جو انکشافات کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں جو صاحب جواب دینا چاہیں۔ "الفتح" کے صفحات ان کیلئے حاضر ہیں۔ پہلی اور دوسری دونوں صورتوں میں ادارہ "الفتح" کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

نمائندہ الفتح - ڈھاکہ

پاکستان کو قائم ہوئے پچیس سال ہو چکے ہیں۔ لیکن اس اثنا میں پاکستان کی قومی زندگی میں کبھی استحکام پیدا نہیں ہوا۔ اس طویل عرصہ میں بارہا پاکستان میں عوام کی حاکمیت قائم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن بد قسمتی سے ہر بار یہ کوشش ناکام ہو گئی جب بھی عوام کے غصب کئے ہوئے حقوق کی بازیابی کی کوشش کی گئی مفاد پرست عناصر نے عین وقت پر اپنے ہتھکنڈوں سے اسے ناکام بنا دیا۔ مفاد پرستوں نے پاکستان کے مظلوم اور مقہور عوام کے حقوق کی بازیابی کی تحریک کو کچلنے میں کبھی بھی پس و پیش نہیں کیا۔ ۱۹۵۴ء کی عوامی تحریک سے لے کر ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۱ء کی عوامی تحریک کو ایک غیر مرئی ہاتھ نے ناکام بنا دیا۔ عوام کی امیدوں، آرزوؤں اور خوابوں کو خاک میں ملانے والے یہ عوام کے دشمن کون ہیں؟ وہ کون سا منظم گروہ ہے جو بار بار بحالی جمہوریت کی کوششوں کو ناکام بنا کر عوام کی خواہشوں اور امنگوں کا گلا گھونٹ دیتا ہے؟ مشرقی پاکستان کے مشہور سیاست داں اور پاکستان جمہوری پارٹی کے سابق سینیئر وائس پریذیڈنٹ مولوی فرید احمد نے اپنی کتاب ابر آلود سورج (THE SUN BEHIND THE CLOUDS) میں اس کے بارے میں سنسنی خیز انکشافات کئے ہیں۔ اس کتاب میں فرید احمد نے ۳ مارچ ۱۹۶۸ء سے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء تک کے پاکستان کی تاریخ کے انتہائی نازک دور کے واقعات کو قلم بند کیا ہے اس کتاب میں ڈائری کے انداز میں نوٹس کی مدد سے مختلف واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں تمام واقعات کی تفصیل نہ ہونے کے باوجود اس دور کے سیاسی پس منظر میں تمام باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

مولوی فرید احمد کی سیاسی ڈائری سے کئی باتیں واضح ہو گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ نوکر شاہی، غیر ملکی جوڑ توڑ اور یہودیوں کی سازش نے پاکستان کے میدان سیاست میں بہت ہی گہرا جال بچھا رکھا ہے۔ خصوصاً ایوب خان کے دس سالہ تاریک دور کے انتہائی بااثر اور ممتاز بیورو کریٹ الطاف گوہر کی قوم دشمن سرگرمیوں نے پاکستان کی تاریخ کو بے حد متاثر کیا ہے۔ فرید احمد نے اپنی کتاب کی افتتاحی تقریب میں کہا کہ الطاف گوہر اور سابق مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات خواجہ شہاب الدین نے ایک گروہ قائم کر رکھا تھا۔ اور اس گروہ کے ساتھ کونسل مسلم لیگ کے سربراہ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ الطاف گوہر نے ہی ایوب خان کے زوال کا منصوبہ بنایا تھا اور انہوں نے ہی اس دور کے سیاسی بحران کے بارے میں صدر ایوب خان کو غلط اور گمراہ کن معلومات فراہم کی تھیں۔ انہوں نے سیاسی حالات و واقعات کا رخ کچھ اس طرح موڑ دیا تھا جس کے نتیجہ میں ایوب خان کا زوال لازمی ہو گیا تھا۔ فرید احمد نے مزید انکشاف کیا ہے کہ گول میز کانفرنس کو اندر سے سبوتاژ کیا گیا ہے۔ الطاف گوہر نے ہی گول میز کانفرنس طلب کرنے کا منصوبہ پیش کیا تھا۔ انہوں نے ایوب خان کو یقین دلایا تھا۔ کہ وہ مولانا بھاشانی اور بھٹو کو گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے آمادہ کر لیں گے۔ الطاف گوہر ایک جانب ایوب خان کو گول میز کانفرنس بلانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ دوسری جانب باہر آ کر بھٹو اور مولانا بھاشانی کو ایوب خان کے خلاف تحریک چلانے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اس طرح الطاف گوہر نے گول میز کانفرنس کو ناکام بنایا تھا۔

فرید احمد نے اس کتاب میں الطاف گوہر کی سرگرمیوں کے بارے میں جو سنسنی خیز اور چونکا دینے والے انکشافات کئے ہیں وہ الطاف گوہر کے انتہائی معتمد اور باوثوق ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں بعض غیر ملکی طاقتوں کی جانب سے سیاسی جماعتوں کو امداد دینے اور پاکستان کی داخلی سیاسیات میں یہود نواز اور قادیانی نواز حلقوں اور سی آئی اے کی جانب سے مشترکہ سازش کے بارے میں بھی بڑے اہم انکشافات کئے گئے ہیں۔

۲۶ فروری ۱۹۶۹ء میں پنڈی میں منعقد ہونے والی گول میز کانفرنس کے اجلاس میں شیخ مجیب الرحمٰن کی شرکت سے متعلق الطاف گوہر کی جانب سے اڑائی ہوئی ایک خبر نے حزب اختلاف کے رہنماؤں کو کسی قدر پریشانی اور تذبذب میں مبتلا کر دیا تھا اس کے بارے میں فرید احمد نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ فرید احمد اس بارے میں ایک مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۹ فروری ۱۹۶۹ء کو الطاف گوہر نے دوپہر کے وقت یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن رہا ہو کر ڈھاکہ سے پنڈی روانہ ہو گئے ہیں۔ اس خبر کے پھیلتے ہی بعض پرجوش نوجوانوں نے مائیکروفون کے ذریعہ اعلان کیا کہ آج (۲۰ فروری ۱۹۶۹ء) شام چھ بجے شیخ مجیب الرحمٰن پنڈی پہنچنے والے ہیں۔ بقول فرید احمد "یہ خبر سن کر میں بے حد مضطرب ہو گیا مجھے محمود علی قصوری نے بتایا کہ الطاف گوہر نے اور ان سے قبل الطاف گوہر کے بھائی تجمل حسین نے میاں قصوری کو بتایا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن ڈھاکہ سے روانہ ہو چکے ہیں اور اس وقت طیارے میں ہیں۔ لیکن یہ خبر غلط اور قطعی بے بنیاد تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اس قسم کی خبر غیر شعوری طور پر بھی نہیں اڑا سکتا ہے۔ تجمل حسین لاہور میں محکمہ مالیات کے سیکرٹری تھے چنانچہ وہ اپنے اس اہم فریضہ کو چھوڑ کر پنڈی کیوں آئے؟ یہ قابل غور بات ہے! اس وقت لاہور میں صوبائی اسمبلی کا انتہائی اہم اجلاس جاری تھا۔۔۔ میاں محمود علی قصوری نے الطاف گوہر کو ۲۲۴۸۰ نمبر پر ڈائل کر کے شیخ مجیب کی آمد کے بارے میں دریافت کیا۔ انہیں بتایا گیا کہ الطاف گوہر نے پی آئی اے کی بکنگ سے یہ خبر سنی تھی اور انہوں نے اس کی بنیاد پر یہ خبر سنائی تھی۔ یہ بات ناقابل یقین ہے کہ حکومت پاکستان کا ایک انتہائی اہم اور بااثر افسر اطلاعات کو پی آئی اے کے ذرائع سے اور وہ بھی غلط اور بے بنیاد اطلاع ملی ہو۔ اسی الطاف گوہر نے رات کے وقت میاں قصوری کو فون پر بتایا کہ انہیں شیخ مجیب الرحمٰن کی آمد کے سلسلے میں کوئی علم نہیں ہے

الفتح

مجیب الرحمٰن نے اصغر خاں کے خلاف ریمارکس پر احتجاج کیا

وزارتِ اطلاعات و نشریات کے سابق سیکرٹری الطاف گوہر یہ سب کچھ تنہا نہیں کیا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مختلف شعبوں کے بیوروکریٹوں اور کئی سیاست دانوں کو اپنے گرد جمع کر رکھا تھا۔ اس بارے میں فریداحمد رقمطراز ہیں کہ انہوں نے (حنیف نے) مجھے بتایا کہ الطاف گوہر نے ایک گینگ بنا رکھا ہے۔ اور خواجہ شہاب الدین، ایس ایم ظفر، قاسم ملک اور خضر حیات پر مشتمل کلِک الطاف گوہر سے اشتراک کر رہا ہے انہوں نے صدر کو ان تمام باتوں سے باخبر کیا ہے اور چوہدری فضل الٰہی اور اصغر خان نے بھی صدر ایوب خان کو الطاف گوہر کے کلِک سے پیدا ہونے والے خطرے سے ہوشیار کر دیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ایوب خان نے بھی ان اہم اور ممتاز شخصیتوں کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں ایک اعلیٰ افسر سے ملنے کے لئے اُس کے گھر گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ انٹرکانٹیننٹل میں ایک ڈنر پر گئے ہوئے ہیں۔ میں مختلف لوگوں سے ٹیلی فون پر باتیں کر کے وقت گذارتا رہا۔ لاہور، اصغر خان اور شورش کاشمیری سے باتیں کر کے الطاف گوہر کے بارے میں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ایچ۔ ایم سے میں نے فون پر رابطہ قائم کیا۔ الطاف گوہر کے گروہ کی سرگرمیوں کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں۔ الطاف گوہر نے دولتانہ سے ملاقات کی تھی، دولتانہ دوبارہ لاہور میں اصغر خان اور حامد سے ملاقات کی ہے

فریداحمد نے اپنی اس کتاب میں الطاف گوہر کے ایک سے زیادہ عورتوں سے ناجائز تعلقات کا بھی بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ فریداحمد کے بیان کے مطابق الطاف گوہر نے مسلح افواج پر بھی کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ حامد جلال اور سعید احمدان کے اس کوشش میں ان کے معاون تھے۔ الطاف گوہر نے بھٹو سے بھی ملاقات کی تھی۔ جس سے عام تصور یہ تھا کہ جناب بھٹو پنڈی آئیں گے اور حزب اختلاف کے رہنماؤں کے مابین اتفاق ہو گیا ہے یہ بھی سمجھا جا رہا تھا۔ کہ الطاف گوہر مشرقی پاکستان جا کر ڈھاکہ سے مولانا بھاشانی کو اپنے ساتھ لے آئیں گے۔ ان تمام ملک دشمنوں کا مقصد گول میز کانفرنس کو ناکام بنانا اور ایوب خان اور جمہوری مجلس عمل کے رہنماؤں کو عوام کی نظروں سے گرانا تھا۔ ان کا مقصد ایسے حالات پیدا کرنا تھا۔ جس سے مسلح فوج کو حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے موقع حاصل ہو۔ الطاف گوہر نے یہ تمام باتیں ۲۵ فروری ۱۹۶۹ء کی ڈائری میں لکھی ہیں اس کے دوسرے دن یعنی ۲۶ فروری کو تاریخی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی لیکن عیدالفطر کی وجہ سے یہ کانفرنس ۱۰ مارچ تک ملتوی کر دی گئی۔

اس کے بعد لاہور تمام سیاسی لیڈروں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ الطاف گوہر کا ٹولہ بھی اس موقع پر خاموش بیٹھا نہیں رہا الطاف گوہر اگرچہ ابتدا میں گول میز کانفرنس کو ناکام نہیں بنانا چاہتے تھے لیکن اس کے فیصلوں کو ناکام بنانے کے لئے کافی وقت باقی تھا چنانچہ الطاف گوہر نے لاہور کو اپنی سازشوں کے لئے منتخب کر لیا۔ فریداحمد کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس دور میں نوکر شاہی کی سازشوں پر گہری نظر رکھی تھی۔ وہ بھی لاہور پہنچ گئے اور انہوں نے ایچ ایم کو فون کیا۔ فریداحمد کے بیان کے مطابق ایچ ایم نے مجھے بتایا کہ ہم لوگ جس دن لاہور پہنچے اسی دن الطاف گوہر بھی لاہور پہنچ گئے۔ آغا شورش کاشمیری نے مجھے بتایا کہ الطاف گوہر صوبائی حکومت کے اپنے ہم خیال افسروں سے گفت و شنید میں مصروف ہیں۔

سازشیوں کی فطرت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے مختلف سطحوں پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہیں، سازش کا جال ہر جانب پھیلا دیتے ہیں۔ اور اپنی پوزیشن حتی المکان مضبوط کر لیتے ہیں۔ وزارت اطلاعات کے سیکرٹری الطاف گوہر نے بھی ایسا ہی کیا تھا الطاف گوہر نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنے ماتحت محکمہ کو اپنی مرضی کے مطابق تشکیل دیا تھا۔ فریداحمد ۴ مارچ ۱۹۶۹ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ ــــ "میں نے ایچ ایم سے بات چیت کی۔ ایچ ایم نے بتایا کہ الطاف گوہر نے آج حامد جلال اور مفتی منیر حسین کے ساتھ میٹنگ کی ہے اور ایچ ایم نے خود بھی اس میں شرکت کی ہے اس میٹنگ میں گفتگو صرف پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈیننس منسوخ کرنے کے موضوع تک محدود رہی۔ الطاف گوہر نے اس جلسہ میں اپنے ایک ماتحت افسر کو حکم دیا کہ وہ مختلف سیاسی جماعتوں کے صدر اور سیکرٹریوں کی ایک فہرست مرتب کریں جن کا نام ریڈیو سے نشر ہونے والی خبروں میں لیا جا سکے۔

فریداحمد نے اپنی اس کتاب میں پاکستان کی سیاسیات میں غیر ملکی طاقتوں (خصوصاً سی آئی اے) اور قادیانی عناصر، کی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ فریداحمد ۴ فروری ۱۹۶۹ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں "میں نے ایک بااثر شخص سے ملاقات کر کے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیالات کیا۔ انہوں نے پاکستان میں غیر ملکی طاقتوں کی مداخلت کو روکنے میں اپنی ناکامی پر انتہائی رنج و افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنی ناکامیوں کا بھی اعتراف کیا انہوں نے مجھے مزید بتایا کہ پاکستان میں غیر ملکی مداخلت کا ایک خاص پیٹرن بن گیا ہے۔ ان سے بات چیت کرنے میں میں نے مندرجہ ذیل نتیجہ اخذ کیا (۱) الطاف گوہر، ایم ایم احمد، اور این اے فاروقی (اس دور کے انتخابی کمشنر) وغیرہ قادیانی ہیں (۲) غیر ملکی طاقتیں بھٹو کو سرمایہ فراہم کر رہی ہیں۔ جیسا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو کر تی آئی ہیں (۳) اصغر خان امریکہ کی موافقت میں خود کو ڈھال رہے ہیں۔ اور بھٹو سی آئی اے کے ایجنٹ ہیں (۴) دولتانہ اور شوکت حیات کے ساتھ الطاف گوہر کے تعلقات ہیں (۵) اصغر خان کے بھائی قادیانی ہیں انہوں نے پی آئی اے میں قادیانیوں کو بھر دیا ہے۔ ۳ مارچ، میں کراچی میں موتمر عالم اسلامی کے انعام اللہ کو فون کیا۔ انہوں نے بتایا کہ یہودی عنصر ایم ایم



شبریں سی۔آئی۔اے کے لیے کام کرتی تھی

احمد کے ذریعے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔

۵ مارچ کو میں مولوی شفیع کے ساتھ ایک ریٹائرڈ میجر سید مقبول کی رہائش گاہ پر گیا۔ انہوں نے تذکرۃً بتایا کہ پاکستان سی آئی اے، بھارت اور یہودیوں کی سازش کے جال میں بُری طرح پھنس چکا ہے اور وہ پاکستان کو تباہ کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ میں نے سعودی عرب کے سفیر سے بھی تبادلہ خیال کیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ پاکستان میں یہود نواز عناصر کی سرگرمیوں کی وجہ یہ ہے کہ اگر پاکستان کا ایک دفعہ تباہ کر دیا گیا تو مکہ مدینہ تک یہودی سامراج کی سرحد پھیلائی جا سکے گی۔ اسلام کے مقدس مقامات کے محافظ کی حیثیت سے شاہ فیصل کو یہود دشمن تحریک کی قیادت کرنی چاہیئے۔

فرید احمد ۵ مارچ کی ڈائری میں لکھتے ہیں۔۔۔" مسلح افواج سے منسلک ایک دوست کے ہاں دوپہر کا کھانا کھایا۔ میں انہیں بین الاقوامی جاسوسوں کے گروہ اور قادیانیوں کے کردار کے بارے میں بتایا انہوں نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ ایوب خان کے زوال اور جمہوری مجلس عمل کی ناکامی کے بعد میدان سیاست میں جو خلا پیدا ہوگا۔ اُس سے بعض اعلیٰ فوجی افسران فائدہ اٹھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں اس وقت سب سے زیادہ اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ ۱۰ مارچ کو گول میز کانفرنس ہو گی یا نہیں اور اگر ہو گی تو جمہوری مجلس عمل کے رہنماؤں کے درمیان اتفاق ہو گا یا نہیں میں ایک اعلیٰ سرکاری افسر کی رہائش گاہ پر گیا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ الطاف گوہر کو ان کے عہدہ سے ہٹانا کتنا ضروری ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں الطاف گوہر کے خلاف انہیں ایک چارج شیٹ لکھ کر دوں انہوں نے کہا کہ میں الطاف گوہر کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھوں گا۔

فرید احمد ۲ مارچ کی ڈائری میں لکھتے ہیں۔۔۔۔ گوہر ایوب سے ملاقات ہونے پر مجھے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں (۱) محمود ہارون نے لندن سے الطاف گوہر کو فون کیا تھا۔ لیکن اتفاق سے یہ فون ایوب گوہر نے سنا۔ محمود ہارون نے گوہر ایوب کو بتایا کہ وہ سوموار کو صبح کے وقت کراچی ہوتے ہوئے پنڈی پہنچیں گے (۲) گوہر ایوب کو معلوم نہیں تھا کہ الطاف گوہر قادیانی اور ایس ایم ظفر اور خواجہ شہاب الدین پرویزی ہیں۔ میں نے گوہر ایوب کو الطاف گوہر کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا گوہر ایوب نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ اپنے والد ایوب خان کو بتائیں گے۔ میں نے انہیں الطاف گوہر کو ہٹانے کی ضرورت بھی سمجھائی۔

پاکستان میں سیاسی اتار چڑھاؤ کے ساتھ غیر ملکی طاقتیں کس طرح وابستہ ہیں۔ اس کے بارے میں فرید احمد کی زبانی سنیئے۔۔۔۔" ۴ مارچ کو میں نے محمود ہارون سے رابطہ قائم کیا یوسف ہارون سے بات چیت کرتے میں انہوں نے میری مدد کی۔ یوسف ہارون زین نورانی کے ساتھ میرے کمرے میں آئے ان سے باتیں کر کے میں مندرجہ ذیل باتوں سے باخبر ہوا: زین نے انہیں (یوسف ہارون) ۲۲ فروری کو فون کیا تھا۔ وہ اپنی تجارت کے سلسلہ میں یونین کار بائیڈ کمپنی سے منسلک تھے زین نورانی نے انہیں ملکی سیاسیات میں حصہ لینے کے لئے پاکستان واپس آنے کی درخواست کی۔ انہوں نے آپس میں کوڈ ورڈز میں بات چیت کی تھی۔ یوسف ہارون فوری طور پر پاکستان واپس آئے اور پنڈی سے لاہور جا کر انہوں نے دولتانہ ملاقات کی

امتیاز نے آج اس خبر کی تصدیق کر کے بتایا کہ امریکہ عوامی لیگ اور کونسل مسلم لیگ کے اشتراک سے مرکز میں حکومت قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ۱۲ مارچ کو گول میز کانفرنس ہوئی۔ وزیر دفاع اے آر خان کے اس بیان پر کہ اصغر خان غیر ممالک کے زیر اثر کام کر رہے ہیں۔ اصغر خان نے اس تبصرہ پر سخت اعتراض کیا۔ وزیر قانون ایس ایم ظفر نے اصغر خان کو قانونی چارہ جوئی کرنے کا مشورہ دیا۔ سردار شوکت حیات، مجیب الرحمٰن، نصراللہ خان اور میں نے اصغر خان کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اصغر خان بطور احتجاج کانفرنس ہال سے واک آؤٹ کر گئے۔ وزیر دفاع اے آر خان نے جواباً کہا کہ "اصغر خان کے خلاف میرے پاس شواہد موجود ہیں"۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے جب اصغر خان کی حمایت میں کچھ کہنا چاہا تو اے آر خان نے پھر کہا "مجیب بھی ان باتوں سے باخبر ہیں"۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے اس پر احتجاج کیا لیکن بہت ہی نرم انداز میں۔

ہم پھر ۲ مارچ کی ڈائری کا ورق الٹتے ہیں۔ الطاف گوہر نے ایبٹ آباد میں اصغر خان سے فون پر بات چیت کی۔ اس کے بعد اصغر خان نے دولتانہ کو تمام باتیں تفصیل سے سمجھائیں۔ بھٹو کو گول میز کانفرنس میں لانے کے لئے دولتانہ نے بھٹو سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ شاید امریکہ دولتانہ کو پاکستان کی سیاست میں مربی کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے امریکہ کو بھٹو سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہے کیونکہ انہوں نے خود ہی ایک خطرناک صورتحال پیدا کر رکھی ہے۔ زین نورانی اور یوسف ہارون شیخ مجیب سے رابطہ قائم کرنے کی غرض سے لاہور جا رہے ہیں۔ شبلی کے ہاں ڈنر پر گیا۔ وہاں بہت سے غیر ملکی ڈپلومیٹ موجود تھے پاکستان کی صورت حال کے بارے میں ان سے تبادلہ خیالات ہوا، جرمن سفارت خانے کے فرسٹ سیکرٹری سے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ صدر موصوف بہت جلد رخصت لینے والے

باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمایئں

روزنامہ غالب
سے
روزنامہ جنگ
تک
(۹)

اُردو مولوی عبدالحق کی سب سے بڑی کمزوری تھی

افضل صِدّیقی

نوعمر لکھنے والوں کی انجمن بزم امروز اخبار کے صفحات سے نکل کر اُردو کالج، انجمن ترقی اُردو لائبریری اور آرٹس کونسل میں آگئی۔ ان لکھنے والے لڑکے، لڑکیوں کا ایک اور اجتماع امروز کے دفتر میں پھر ہوا۔ اور اس میں میں نے بزم کے کچھ عہدیدار نامزد کر دیئے، اور اپنی حیثیت ایک منتظم یا نگران کی رکھی۔ تاکہ بزم کے عہدیدار اور اراکین، جلسے، مباحثے، مشاعرے اور مذاکرے کا خود انتظام و اہتمام کریں۔ اور اپنے آپ کو ہی تمام کاموں کا ذمہ دار سمجھیں۔ اس اجتماع میں اتفاق رائے سے طے پایا کہ بزم امروز کا باقاعدہ افتتاح بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب سے کرایا جائے۔ عام اجلاس کی تاریخ ۱۶ ار اگست ۱۹۵۹ء مقرر کی گئی۔ اس وقت یہ کسے معلوم تھا کہ دو سال بعد یہی تاریخ بابائے اُردو کی تاریخ وفات ٹھہرے گی۔ جلسہ کا انتظام کرنے کے لئے مجلس عاملہ کے علاوہ ایک اور کمیٹی بھی بنا دی گئی۔ اور مختلف کام ہر ایک کے سپرد کر دیئے۔ اور پھر یہ اجتماع میری تجویز پر یہ فیصلہ کرنے کے بعد منتشر ہو گیا کہ اُردو یونیورسٹی کے قیام میں بابائے اُردو کا ہاتھ بٹانے کے لئے بزم امروز کو آگے بڑھنا چاہیئے۔ اُردو یونیورسٹی فنڈ کے لئے گھر گھر جاکر چندہ اکٹھا کیا جائے۔ اور مہینہ بھر کے اندر جتنی رقم جمع ہو جائے۔ وہ پہلی قسط کے طور پر بزم کے افتتاحی عام جلسہ میں بابائے اُردو کی خدمت میں پیش کر دی جائے۔ اس کے بعد مجلسِ عاملہ اور جلسہ کی انتظامی کمیٹی کی نشستیں شروع ہو گئیں۔ اور بزم امروز کے سرگرم اراکین اپنے جلسہ کے انتظام میں لگ گئے۔ اُدھر میں بابائے کے معاون کار مشفق خواجہ سے جاکر ملا جو آج کل بھی انجمن ترقی اُردو سے وابستہ ہیں۔ بڑے خوش گو شاعر اور ادیب ہیں۔ انجمن پر ان کے بڑے احسانات ہیں وہ خود خاموشی سے کام کرنے کے عادی ہیں اور اپنی خدمات کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے جیسا کہ آج کل عام رواج ہے۔ مشفق خواجہ نے بابائے اُردو سے میری ملاقات کا انتظام کر دیا۔ بابائے اُردو سے یہ میری پہلی ملاقات نہیں تھی۔ ریڈیو پاکستان میں جب میں بچوں کے پروگرام کا انچارج تھا۔ تو ان سے ملتا رہتا تھا۔ دو تین بار بچوں کے پروگرام میں انہیں مدعو کر کے سرسید، حالیؔ اور شبلیؔ پر ان سے تقریریں بھی نشر کرائی تھیں ریڈیو پاکستان چھوڑنے کے بعد ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔ اور اب میں کوئی چار سال کے بعد ان سے مل رہا تھا۔ ڈر رہا تھا کہ وہ مجھے ڈانٹیں گے۔ اور شاید پہچاننے سے ہی انکار کر دیں، نوے برس کا آدمی جو بہت سی حکومتوں اور اپنے مہربانوں کے ستم سہہ رہا ہو۔ کیا اتنا بھی نہیں کرے گا۔ کچھ ایسا ہی ہوا۔ مولوی صاحب کو نقص سماعت کی شکایت تھی نظر بھی کمزور تھی۔ مشفق خواجہ کے ساتھ انجمن کے دفتر کے اسی کمرہ میں جہاں مولوی صاحب کی رہائش تھی۔ ان سے جاکر ملا تو وہ پہچان تو گئے مگر اُکھڑے اُکھڑے رہے۔ بات ہی نہیں کر رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا موڈ خراب ہے۔ میں نے اُردو یونیورسٹی کا ذکر چھیڑا حکام کی بے اعتنائی کی بات نکلی۔ امروز کو وہ پسند کرتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ امروز میں لکھنے والے بچوں نے اُردو یونیورسٹی کے قیام کے لئے آپ کی مدد کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ وہ خود چندہ جمع کر رہے ہیں۔ یہ بچے اپنی زبان کا مستقبل محفوظ دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ایک جلسہ کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس جلسہ میں اپنی جمع کی ہوئی رقم آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ اس کے بعد میں ان سے اس جلسہ میں شرکت کی درخواست کرنے والا تھا کہ مولوی صاحب خود ہی بول پڑے "میں ضرور اس جلسہ میں آؤں گا۔ یہ تو آپ نے بڑی اچھی بات بتائی۔ بچوں میں بھی یہ شوق پیدا ہو گیا ہے؟ پھر تو میرا خواب



بزم امروز کے اجلاس سے جناب فیض احمد فیض خطاب کر رہے ہیں۔ دائیں طرف رئیس امروہوی اور افضل صدیقی بیٹھے ہیں

وہ اخبار امروز اور بزم امروز کو دل سے پسند کرتے تھے

ضرور پورا ہوگا،" ان کی آنکھوں میں روشنی آگئی تھی۔ ان کا تھکا ہوا لہجہ پُرجوش ہو گیا تھا۔ اور اس وقت وہ میرے اور مشفق خواجہ کے ہم عمر نظر آرہے تھے۔ ملازم سے چائے بنانے کو کہا اور پھر دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ تھک گئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ جلسہ کی تاریخ ۱۶ اگست طے پائی ہے۔ اس سے پہلے میں آپ سے ملتا رہوں گا۔ جلسہ کے لئے اگر آپ مناسب خیال فرمائیں۔ تو انجمن کی لائبریری کا ہال استعمال کرنے کی اجازت دے دیں۔ مولوی صاحب فوراً تیار ہو گئے۔ اور انہوں نے مشفق خواجہ کو جلسہ کی تاریخ نوٹ کرادی اور میں ان سے رخصت ہو کر چلا آیا۔

اتوار کے امروز میں بزم کے عام جلسہ کا اعلان کر دیا گیا اور ساتھ ہی اردو یونیورسٹی فنڈ میں زیادہ سے زیادہ چندہ دینے سے متعلق بابائے اردو کی اپیل بھی۔ دو اتوار تک جب اعلان اور اپیل شائع ہوئی تو بچوں کے علاوہ بڑوں کا بھی اشتیاق بڑھ گیا۔ اور دفتر امروز میں چندہ کی رقم کے کئی منی آرڈر موصول ہونے لگے بچے خود بھی دفتر آکر اپنی جیب خرچ کی رقم اردو یونیورسٹی فنڈ میں جمع کرانے لگے۔ میری مصروفیت اور مشکلات بہت بڑھ گئیں۔ میں نے مشکلات خود ہی بڑھائی تھیں۔ دن بھر اسٹار نیوز ایجنسی میں کام کرتا۔ شام سے رات کے ۲ بجے تک امروز میں۔ اسٹار اور امروز میں کام کے درمیانی وقفہ میں بزم امروز کا خود پیدا کردہ کام بھگتاتا دفتر میں ہدایت کردی تھی کہ اردو یونیورسٹی فنڈ کے لئے کوئی چندہ دینے آئے تو وصول کر لیا جائے۔ اور اسے رسید دے دی جائے۔ یہ کام الگ ہو رہا تھا۔ اور بزم کے کارکن اپنے طور پر الگ چندہ جمع کر رہے تھے۔

جلسہ سے دو روز پہلے تک ۲۷۰ روپے کی رقم جمع ہو چکی تھی۔ یہ سب ایک ایک دو دو روپیہ کر کے جمع ہوئی تھی جلسہ کے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ انجمن ترقی اردو کی لائبریری پہلے پاکستان چوک پر تھی۔ اس میں ڈیڑھ سو افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ خیال یہی تھا۔ کہ اس سے زیادہ لوگ کیا آئیں گے۔ مارشل لاء کی وجہ سے لوگ جلسے جلوسوں سے خائف ہی تھے۔ مارشل لاء کے نفاذ کو پورا ایک سال بھی نہیں ہوا تھا۔ روز نئے نئے ضابطے نکل رہے تھے۔ نئی نئی پابندیاں لگ رہی تھیں، بنیادی جمہوریتوں کے نئے نظام کا ابھی اعلان نہیں ہوا تھا۔ میں تین چار بار بابائے اردو سے مل چکا تھا۔ اور طے پایا تھا کہ ۱۶ اگست کو ٹھیک چار بجے مشفق خواجہ مولوی صاحب کو گھوڑا گاڑی میں بٹھا کر جلسہ گاہ میں لے آئیں گے۔ انتظامیہ سے جلسہ کی اجازت نہیں لی گئی تھی۔ پبلک میٹنگ کسی کھلی جگہ پر ہوتی تو اس کے لئے اجازت کی ضرورت بھی پیش آتی۔ یہ کسی کو خبر نہیں تھی کہ انجمن ترقی اردو کے چھوٹے سے لائبریری ہال کی چار دیواری کے اندر منعقد ہونے والا بچوں کا یہ جلسہ ایک پبلک میٹنگ کی شکل اختیار کرے گا۔

چار بجے تک صورت حال یہ ہو گئی تھی کہ لائبریری ہال بچوں، ان کے والدین اور دوسرے افراد سے بھر چکا تھا۔ اور لوگ باہر سڑک پر کھڑے ہوئے بابائے اردو کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ ٹریفک میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ اس زمانے میں موٹر رکشا اور ٹیکسیاں چلنا شروع نہیں ہوئی تھیں۔ پھر بھی اس علاقہ میں جو گنجان آباد

بزم امروز نے
کئی اچھے لکھنے والے
اور مقرر پیدا کیے

تھا گھوڑا گاڑیاں، کاروں، گدھا گاڑیوں، اونٹ گاڑیوں کی بڑی ریل پیل رہتی تھی۔ مولوی صاحب کی بگھی آکر رکی تو لوگوں کا خاصا ہجوم اس کے گرد جمع ہو گیا۔ مسٹر طفیل احمد جمالی اور عزیز کارٹونسٹ نے مولوی صاحب کو سہارا دے کر گاڑی سے اتارا اور انہیں ہال میں لے آئے۔ اس وقت چار بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ مولوی صاحب وقت کے بڑے پابند تھے۔ اور وہ اس جلسہ میں دس منٹ کی تاخیر سے پہنچے تھے۔ مشفق خواجہ سے معلوم ہوا کہ وہ تو تین بجے ہی سے شیروانی پہن کر چھڑی ہاتھ میں لے کر تیار ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اور بار بار مشفق خواجہ سے وقت پوچھ رہے تھے۔ مشفق خواجہ انہیں تسلی دے رہے تھے۔ کہ ابھی دیر ہے۔ چار بجنے میں بیس منٹ تھے کہ انہوں نے کسی آدمی کو گھوڑا گاڑی لینے کے لئے دوڑایا۔ مگر گاڑی ملنے میں دیر ہو گئی۔ اس لئے مولوی صاحب کو ذرا دیر سے جلسہ گاہ میں پہنچنا پڑا۔ حالانکہ آج کل کے حساب سے دس منٹ کی تاخیر کوئی تاخیر بھی نہیں تھی۔ مگر وہ مشفق خواجہ پر بعد میں بڑے ناراض ہوئے کہ "تم نے دیر کرادی"۔ ایسی وضعداریاں ان بڑے لوگوں کے ساتھ ہی ختم ہو گئیں۔

جلسہ کا آغاز ہوا۔ میں نے اور طفیل جمالی نے تقریریں کیں۔ چار بچوں نے اپنی تقریروں میں بابائے اردو کی اردو دوستی کا تذکرہ کیا اور اردو کی تحریک میں بابائے اردو کا ساتھ دینے کا عہد دہرایا اور پھر بزم کی سب سے کم عمر رکن ایک طالبہ نے مولوی صاحب کو ۲۷۰ روپے کی تھیلی پیش کی۔ یہ تھیلی لیتے ہوئے مولوی صاحب کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اور وفور جذبات سے آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ بچوں سے خطاب کریں۔ مگر وہ نہ مانے کہنے لگے۔ "اب مجھ سے تقریر نہیں ہوتی"۔ پھر طفیل احمد جمالی آگے بڑھے انہوں نے اصرار کیا کہ مولوی صاحب یہ بچے نہ جانے کتنی کتنی دور سے آپ کو سننے کے اشتیاق میں اور اردو سے محبت میں یہاں تک آئے ہیں۔ آپ تقریر نہیں کریں گے تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ مولوی صاحب چمک کر بولے، "اچھا اردو سے محبت انہیں یہاں تک لائی ہے۔ پھر تو میں ضرور تقریر کروں گا"۔

بس مولوی صاحب کی سب سے بڑی کمزوری اردو ہی تھی۔ اردو کا واسطہ انہیں دے دو پھر جو چاہے ان سے کام کرالو۔ ان کی اس کمزوری سے بہت سے نام نہاد محبان اردو نے ان سے ناجائز فائدے بھی اٹھائے، بابائے اردو تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو سب لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے۔ اب ان کی حالت یہ تھی کہ آنکھوں میں آنسو تھے۔ روپوں کی تھیلی ہاتھ میں تھی۔ اور آواز گلوگیر تھی۔ ٹھہر ٹھہر کر انہوں نے بولنا شروع کیا۔ ان کی تقریر شاید مشفق خواجہ کے پاس محفوظ ہو، مجھے اس تقریر کے الفاظ تو یاد نہیں۔ مفہوم یہ تھا۔ کہ "آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اتنا ایثار کیا۔ اپنی بچائی ہوئی رقم جو آپ کے کسی کام آتی۔ مجھ بوڑھے کو دے دی۔ آپ نے وہ کام کیا ہے جو بڑوں سے ابھی تک نہیں ہو سکا۔ آپ کے ایثار

باقی صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ فرمائیں

پانی کا مسئلہ

ایک تفصیل
پس منظر

پانی کے مجرم - غلام محمد، دولتانہ، شوکت حیات اور ایوب خاں

وہاب صدیقی

"دریائے سندھ میں پانی کی قلت ہونے کے باعث گدو بیراج، سکھر بیراج اور کوٹڑی بیراج کے تحت کاشت ہونیوالی تقریباً ۴۵ لاکھ ایکڑ زمین میں فصلیں تباہ ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے صوبہ سندھ کے کاشت کاروں اور زمین داروں میں خریف کے علاوہ آئندہ زیر کاشت ربیع کی فصل کے لئے مایوسی پیدا ہو گئی ہے۔" (ایک خبر)

"نہری پانی کی سپلائی میں اچانک ۷۵ فی صد کمی ہو جانے سے بہاول پور کا پورا ڈویژن اور ملتان کے دو اضلاع بُری طرح متاثر ہوئے ہیں اگر یہ خشک سالی برقرار رہی تو نہ صرف کپاس کی پیداوار پر اثر پڑے گا، بلکہ دوسرے علاقوں کو گندم فراہم کرنے والے یہ علاقے گندم کے معاملے میں خود کفیل بھی نہیں رہیں گے" (ایک خبر)

"دریائے سندھ کوٹڑی سے لے کر بحیرہ عرب کے دہانے تک خشک ہو چکا ہے کہیں کہیں پانی کھڑا ہے دریا میں دور دور تک ریت کے ٹیلے نظر آتے ہیں دریائے کے کنارے دیہاتیوں کو پینے کے لئے پانی میسر نہیں۔ محکمہ آبپاشی کے حکام نے عمر کوٹ سب ڈویژن کے کاشت کاروں سے کہا ہے کہ انہیں ربیع فصل نہیں بونی چاہیئے کیونکہ اس موسم کے دوران پانی نہیں ملے گا۔ اس علاقے کی نہریں پہلے ہی بند کی جا چکی ہیں۔" (ایک خبر)

"اندازہ لگایا گیا ہے کہ دریائے سندھ میں پانی کی شدید قلت کی وجہ سے اس سال صوبہ سندھ میں چاول اور کپاس کی فصلوں کو تقریباً سترہ کروڑ روپے کا نقصان ہو گا۔ جب کہ تین کروڑ روپے کا صرف گدو بیراج سے سیراب ہونے والی فصلوں کا نقصان ہو گا۔ اس طرح سندھ کی زرعی معیشت کو تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔" (ایک خبر)

ایسی خبریں اخبارات کا مقدر بن چکی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب ایک ہولناک قحط پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ لہلہاتے ہوئے کھیت سرسبز وادیاں صحراؤں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اناج کے لئے ایک بار پھر کاسہ گدائی تھامے ہوئے امریکہ اور کینیڈا کے چکر لگانے پڑیں گے۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے دریاؤں کے پانی کی پاکستان کی زراعت میں وہی حیثیت ہے جو دوران خون کو انسانی جسم میں حاصل ہے دریائے سندھ اپنے پانچ بڑے معاونوں کے ساتھ دنیا کے عظیم ترین دریائی آبپاشی کے نظاموں میں شمار ہوتا ہے اس کے پانی کا سالانہ بہاؤ دریائے نیل سے دوگنا اور دجلہ و فرات کے مجموعی بہاؤ سے تگنا ہے یہ تین کروڑ ایکڑ زمین کو سیراب کرتا ہے اس سے پاکستان کے چار کروڑ اور بھارت کے ایک کروڑ افراد فیض یاب ہوتے ہیں۔

دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کا تنازعہ پہلی مرتبہ اس وقت منظر عام پر آیا جب برطانوی نو آباد کاروں نے دریائے ستلج پر بھاکڑا ڈیم کی تعمیر کا منصوبہ بنایا سندھ کا علاقہ اس وقت بمبئی پریذیڈنسی میں شامل تھا حکومت بمبئی نے بھاکڑا ڈیم کے منصوبے کے سلسلے میں خطرہ ظاہر کیا کہ اس ڈیم کی تعمیر سے سکھر بیراج کی نہروں میں

پنجاب اور سندھ کی نہروں میں پانی کی کمی بیشی کا گوشوارہ

نام انہار	سیراب ہونے والے اضلاع	کمی یا بیشی: ۲۱-۳۰ ستمبر	کمی یا بیشی: یکم سے ۵ اکتوبر
گدو بیراج	سکھر اور جیکب آباد	۴۰ فی صد کمی	۴۲ فی صد کمی
سکھر بیراج	خیر پور، نواب شاہ، میر پور خاص، لاڑکانہ، دادو	ایک فی صد کمی	۱۲ فی صد بیشی
کوٹڑی بیراج	حیدر آباد۔ ٹھٹھہ	۲۵ فی صد کمی	۲۰ فی صد بیشی
تھل	میانوالی، مظفر گڑھ۔ سرگودھا	برابر	برابر
تونسہ	ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ	۲۰ فی صد کمی	نہ کمی نہ بیشی
پنجند	رحیم یار خان	۵ فی صد بیشی	نہ کمی نہ بیشی
پانچ رابطہ نہریں	گجرات، سرگودھا، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لائلپور، جھنگ، ساہیوال، ملتان	۲۴ فی صد کمی	۲۳ فی صد کمی
مرکزی باری دوآب	ضلع لاہور	نہ کمی نہ بیشی	۲۰ فی صد کمی
ستلج ویلی	لاہور، ساہیوال، نگر، بہاول پور، ملتان	۳۰ فی صد کمی	۴۶ فی صد کمی
تریمو	جھنگ، ملتان، مظفر گڑھ	۸ فی صد کمی	۲۵ فی صد کمی
چشمہ	ڈیرہ اسمعیل خان	برابر	برابر

ایّوب خاں نے سندھ طاس معاہدے کو اپنی ذمّہ داری قرار دیا تھا

پانی کی کمی ہو جائے گی ریاست بھاولپور کو بھی پانی کی شکایت پیدا ہوئی — چنانچہ برطانوی حکومت نے ۱۹۳۴ء میں اینڈرسن کمیشن مقرر کیا۔ جس نے ۱۹۳۵ء میں اپنی سفارشات پیش کیں بھاکڑا ڈیم کی تعمیر سے پیدا ہونے والی صورت حال پر سفارشات پیش کرنے کے لئے ۱۹۴۱ء میں راؤ کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ ۱۹۴۲ء میں پیش کی ۱۹۴۵ء میں سندھ اور پنجاب کے ماہرین کے درمیان دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم پر سمجھوتہ ہو گیا۔ لیکن دونوں صوبوں کی حکومتیں آڑے آئیں۔ سیاسی طور پر سمجھوتہ کرنے کے لئے ۱۹۴۶ء میں شملہ کے مقام پر دونوں صوبوں کے نمائندوں نے ایک ملاقات کی، سندھ کی نمائندگی مسٹر محمد ایوب کھوڑو اور پنجاب کی نواب مظفر علی قزلباش نے کی۔ طویل گفت و شنید کے بعد بھی کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔ کیونکہ حکومت سندھ نے غلام محمد بیراج اور گدو بیراج کی تعمیر کے لئے حکومت پنجاب سے مالی امداد کا مطالبہ کر دیا تھا۔ پھر اس تنازعہ کو وائسرائے ہند کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اس مسئلہ کو جوں کا توں چھوڑ دیا۔ کیونکہ برطانوی حکومت ہندوستان کو چھوڑنے کا فیصلہ کر چکی تھی،

اگست ۱۹۴۷ء میں برصغیر تقسیم ہوا، مادھو پور اور فیروز پور ہیڈ ورکس بھارت کے حصے میں آ گئے اس طرح دریائے راوی اور ستلج کا پانی روکنے کا ذریعہ بھارت کے قبضہ میں آ گیا۔ اس نے پاکستان کی زرعی معیشت کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو ان دونوں دریاؤں کا پانی روک دیا۔ اس اقدام سے پنجاب اور بہاولپور کے وسیع زرخیز علاقے میں خشک سالی کا دور دورہ ہو گیا۔ حکومت پاکستان اپنا جائز اور قانونی حق حاصل کرنے کی بجائے بھارت کے سامنے جھک گئی۔ ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات نے اپنی کرسی اقتدار کو بچانے کے لئے بھارت سے پانی خریدنے کی پیش کش کر دی۔ دلیل یہ پیش کی گئی کہ اگر پاکستان اپنے موقف پر قائم رہا اور جائز اور قانونی حق طلب کیا تو جنگ شروع ہو جائے گی۔ پاکستان دفاعی طور پر کمزور ہے اس لئے جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتا، پانی خریدنے کی پیش کش کو بھارت نے نہایت خوش دلی سے قبول کیا ۴ مئی ۱۹۴۸ء کو پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس پر پاکستان کی جانب سے غلام محمد، میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ اور سردار شوکت حیات نے دستخط کئے۔ اور بھارت کی طرف سے پنڈت جواہر لال نہرو، سردار سورن سنگھ اور این۔ کیڈ گل نے دستخط کئے۔ اس معاہدے کی رو سے حکومت مغربی پنجاب نے بھارتی وزیر اعظم کی مقرر کردہ پانی کی قیمت ریزرو بنک میں جمع کرائی۔ اور اس کے عوض پانی حاصل کیا۔ بالفاظ دیگر بھارت کو پانی کی قیمت ادا کر کے میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات نے دریائے راوی اور ستلج پر بھارتی قبضے کو تسلیم کر لیا۔

دولتانہ اور سردار شوکت حیات کی اس سیاسی کمزوری سے بھارت کی مزید حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس نے دریائے سندھ کا پانی بھی ہتھیانے کا منصوبہ بنایا دریائے سندھ کا پانی اپنی اقتصادی اور زرعی ترقی کے لئے استعمال کرنے کے لئے اس نے ضروری اقدامات شروع کر دیئے۔ جس کا ایک ہی نتیجہ ہو سکتا

باقی صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں

پنجاب کی مسلم لیگی حکومت نے اپنے ہی پانی کی قیمت ادا کر کے بھارت کا حق تسلیم کر لیا

مشترکہ اعلامیہ کا متن

مشرقی اور مغربی پنجاب کی حکومتوں کے درمیان مشرقی پنجاب سے سینٹرل باری دو آب اور دیپالپور کی نہروں میں پانی کی فراہمی کے سلسلے میں تنازعہ پیدا ہو گیا ہے مشرقی پنجاب کی حکومت کا موقف یہ ہے کہ منقسم پنجاب کے اثاثوں اور قرضوں کی تقسیم کے حکم مجریہ ۱۹۴۷ء اور مصالحتی حکم کے مطابق مشرقی پنجاب کے دریاؤں کے پانی پر مشرقی پنجاب کی حکومت کو کلی حق ملکیت حاصل ہے اور مغربی پنجاب کی حکومت اس میں کسی حصے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ مغربی پنجاب کی حکومت اس موقف کو تسلیم نہیں کرتی اس کا موقف یہ ہے کہ مصالحتی حکم کے مطابق اس سلسلے میں اس کے حق میں حتمی فیصلہ ہو چکا ہے اور بین الاقوامی قانون اور اصولِ معدلت کی رو سے مغربی پنجاب کو مشرقی پنجاب کے دریاؤں کے پانی پر حق حاصل ہے مشرقی پنجاب کی حکومت نے بعض شرائط پر ان نہروں میں پانی کی فراہمی کو بحال کر دیا ہے۔ جن میں سے دو شرائط کو پاکستان تسلیم نہیں کرتا۔ ایک تو وہ مشرقی پنجاب کی حکومت کی طرف سے مغربی پنجاب کی نہروں کو پانی کی فراہمی کی قیمت وصول کرنے کے حق کو تسلیم نہیں کرتا دوسرے اس سلسلے میں مادھو پور ہیڈ ورکس اور ملحقہ نہروں پر خرچ ہونے والے سرمائے کو زیر بحث لانے پر رضا مند نہیں مشرقی اور مغربی پنجاب کی حکومتیں پانی کے مسئلہ کو دوستانہ ماحول میں طے کرنے کی متمنی ہیں مشرقی پنجاب کی حکومت نے پانی پر اپنے قانونی حق کو محفوظ رکھتے ہوئے مغربی پنجاب کی حکومت کو یقین دلایا ہے کہ وہ اسے نہری پانی کے متبادل انتظامات کرنے کا موقع دیئے بغیر پانی کی فراہمی بند نہیں کرے گی مغربی پنجاب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مشرقی پنجاب کی حکومت اپنے ایسے علاقوں کو جہاں پانی کی کمی ہے اور وہ مغربی پنجاب کے متاثرہ علاقوں سے کم ترقی یافتہ ہیں ترقی دینے کے سلسلے میں اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے فکر مند ہونے میں حق بجانب ہے۔

قانونی نکتہ سے قطع نظر دونوں حکومتیں اس مسئلہ کے قابل عمل حل کی متمنی ہیں جس کی بنیاد یہ ہو گی کہ مشرقی پنجاب اس طرح آہستہ آہستہ ان نہروں میں پانی کم کرتا چلا جائے تاکہ مغربی پنجاب کی حکومت کو ان نہروں میں پانی فراہم کرنے کیلئے متبادل انتظامات کرنے کا مناسب موقع مل سکے، مغربی پنجاب کی حکومت نے ریزرو بنک میں ایڈ ہاک ادائیگی کی رقم جمع کرانا منظور کر لیا ہے اس رقم کا تعین بھارت کے وزیر اعظم کریں گے اسی میں سے وہ رقم جس کے متعلق کوئی تنازعہ نہیں ہو گا، مشرقی پنجاب کو منتقل کر دی جائے گی دونوں حکومتوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ مسئلہ کے قانونی پہلوؤں کے جائزے، مشرقی پنجاب کی طرف سے فراہم کئے جانے والے پانی کی قیمت کے تقرر کے طریقہ کار اور پانی کے وسائل کے فنی جائزے اور اس کی فراہمی کے بندوبست پر غور و فکر کے بعد دونوں فریقوں کے نمائندوں کے دوبارہ اجلاس ہوں۔ بھارتی اور پاکستان کی حکومتوں نے ان شرائط کو تسلیم کر لیا ہے اور امید کرتی ہیں کہ وہ اس مسئلہ کو دوستانہ طور پر حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی،



یہاں صرف دستخط کرنے والے تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں

زبیر حسین

جب متحدہ ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری شروع ہوئی تو قدیم دیسی تعلیم کا رنگ تبدیل ہونے لگا۔ ظاہری طور پر اگرچہ برطانوی سامراج کی حکومت کا آغاز مغل شہنشاہ کے فرمان دیوانی ۱۷۶۵ء سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت کمپنی کی حکومت کا دور جنگ پلاسی کی کامیابی کے بعد جو ۱۷۵۷ء میں ہوئی، شروع ہو گیا تھا۔ اور یہ دور حکومت و تجارت ساتھ رہا، جو ۱۸۳۲ء تک جاری رہا۔ اس حکومت و تجارت کے مشترکہ دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ملک میں تعلیم کی جانب کوئی توجہ نہ دی۔ گو کہ مختلف تدابیر، تجاویز اور مسائل پر ۱۷۶۵ء سے متواتر غور کیا جاتا رہا۔ ۱۸۱۳ء میں صرف اس قدر ہوا کہ ایک کمیٹی مقرر کی گئی اور ایک لاکھ روپے کروڑوں ہندوستانیوں کی تعلیم کے لئے منظور کئے گئے اور وہ بھی فوراً ہی استعمال میں نہیں لایا گیا۔ دس برس بعد اس "بڑی رقم" سے کام لینا شروع ہوا ۱۸۲۸ء میں لارڈ ولیم بینٹنگ کا عہد آیا، جس نے برطانیہ کی حکومت کے مخصوص سامراجی مفادات کے تحفظ اور بقا کی خاطر "غلام ہندوستانیوں" کے لئے چند اصلاحیں کیں۔ لیکن تعلیم کے متعلق کوئی عملی کام نہ ہوا۔ ۱۸۳۴ء میں گورنر جنرل کی کونسل میں لارڈ میکالے کو شامل کیا گیا۔ برطانوی سامراج کے اس کارندے کی رائے تھی کہ "انگریزی تعلیم حکومت کا ایک فرض ہے۔ انگریزی ہندوستانیوں کے لئے مغرب کے ترقی یافتہ اور وسعت پذیر علوم کا دروازہ کھول دے گی اور ایک زمانہ آئے گا کہ ہندوستان مغربیت کا جامہ اختیار کر لے گا۔ اس طریقہ سے امید ہے کہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگا، جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگا، مگر خیالات و تمدن میں انگریز ہوگا"۔ آخر کار لارڈ میکالے کی تجویز کے مطابق فیصلہ ہوا کہ ہندوستان میں انگریزی زبان میں تعلیم دی جائے گی۔

برطانوی سامراج کی اس تعلیمی پالیسی کو سمجھنے کے لئے ہمیں برطانوی سامراج کی معاشی پالیسی کو جس کے تحت اس کی سیاسی، سماجی، ثقافتی اور تعلیمی پالیسی مرتب ہوئی سمجھنا ہوگا۔ حقائق کا ٹھوس تجزیہ ہمیں بتاتا ہے کہ برطانوی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کی وارث تھی اور اس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ برطانوی سرمائے کے لئے ہندوستان میں معاشی استحصال کے مواقع فراہم کرے، اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں انگلستان کی رائے عامہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی شدید مخالفت زیادہ تر اسی لئے شروع کی تھی کہ معدودے چند اجارہ داروں نے ہندوستان کی نفع بخش تجارت پر بلا شرکت غیرے قبضہ کر لیا تھا اور دوسرے اجارہ دار سرمایہ داروں کو لوٹ کھسوٹ اور ہندوستان سے ملنے والے مال غنیمت سے محروم رکھتے تھے اس لئے حکومت برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں روز بروز مداخلت شروع کر دی تھی۔ اور اس کے تجارتی ادارے کو روز بروز محدود کرتی رہی۔ یہاں تک کہ جب صنعتی انقلاب کے بعد انگلستان کے کارخانے بہت مال پیدا کرنے لگے اور اس کی کھپت کے لئے کھلے بازار اور منڈیوں کی ضرورت ہوئی تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو توڑ دیا گیا تاکہ بلا تفریق سب سرمایہ داروں اور بالواسطہ طور پر پورا برطانیہ ہندوستان کا معاشی استحصال کر سکے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ہندوستان کی انگریزی حکومت، جس نے سیاسی حیثیت سے کمپنی کی جگہ لی۔ یہ معاشی پالیسی اختیار کرنے پر مجبور تھی کہ ہندوستان کو انگلستان کے ترقی یافتہ صنعتی نظام سے اس طرح وابستہ کر دے کہ وہ بدستور زرعی ملک رہے بلکہ اور زیادہ زرعی ہو جائے۔ یعنی اپنی دستی صنعتوں کو ختم کر کے تمام تر برطانوی کارخانوں اور صنعتوں کے لئے کچا مال پیدا کرنے والا اور ان کی بنائی ہوئی چیزوں کا صرف کرنے والا ایک دست نگر ملک ہو جائے۔ برطانوی حکومت نے اپنے سامراجی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے نام نہاد "آزاد تجارت" کے ترقی یافتہ طریقوں کو عیاری، چالاکی اور ہوشیاری سے استعمال کیا، جو اس مخصوص مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کافی تھا۔ کہ برطانیہ کی مشینی صنعت ہندوستان کے بازاروں میں دوسرے ملکوں کے مقابلے سے محفوظ رہے اور دیسی دستی صنعت کو کھلے "مقابلے" میں شکست دے کر تباہ کر دے۔

اس میں شک نہیں کہ خود غیر منقسم ہندوستان میں بھی کچھ کارخانے کھولے گئے۔ بینک قائم کئے گئے۔ ریلیں چلیں، سڑکیں تعمیر ہوئیں اور درس گاہیں بنیں۔ غرض عہد جدید کے وہ سب مظاہر نظر آنے لگے جو کسی ملک کی معاشی ترقی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایک تو یہ ساری چیزیں ملک کے وسیع رقبے اور آبادی کے لحاظ سے بہت محدود پیمانے پر تھیں دوسرے ان میں سرمایہ دار اور انتظامیہ تقریباً پورا انگریزوں کا تھا، ہندوستانی عوام ان سے یا برطانوی مال کے گاہکوں کی حیثیت سے تعلق رکھتے تھے، یا مزدوروں، محنت کشوں اور سفید پوش کلرکوں کی حیثیت سے۔ انہیں برطانوی حکومت کے ان اقدامات سے کچھ فائدے تو ضرور پہنچے۔ لیکن سرمایہ ان کی جیب سے کھینچ کر غیر ملکی آقاؤں کی جیبوں میں منتقل ہوتا رہا محنت کشوں اور مزدوروں کی حیثیت سے ہندوستانی عوام مدتوں تک بغیر قانونِ تحفظ مزدوری کے غیر ملکی استحصالی قوتوں کے رحم و کرم پر رہے اور یورپ کے محنت کشوں اور مزدوروں کے مقابلے میں جنہوں نے مسلسل اور مستقل جد و جہد کے ذریعے

برطانوی حکومت نے مروجہ نظام اپنی حکمرانی کے لیے نافذ کیا تھا

اپنے آپ کو منظم کر لیا تھا۔ کہیں زیادہ استحصال اور لوٹ و کھسوٹ کا شکار ہوئے۔ غرضیکہ برطانوی سامراج کا جابرانہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام غیر منقسم ہندوستان میں اس طرح آیا کہ اس کی کل برطانوی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں تھی اور اس کے ساتھ وہ تحفظات بھی نہ تھے جو یورپ کے مزدوروں نے اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں حاصل کر لئے تھے اس کا منطقی و قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ سارا فائدہ برطانوی سامراج حکومت اور برطانوی سرمایہ داروں کو پہنچا اور ہندوستان کو فائدہ کی جگہ نقصان پہنچا۔ ان نئے دور کے مظاہر کے باوجود ہندوستان مجموعی طور پر بدستور عہدِ وسطیٰ کے زراعتی نظام کے ماتحت زندگی بسر کرتا رہا بلکہ جب دیسی صنعتیں مشینی صنعت کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے مٹنے لگیں تو ان لوگوں کو چھوڑ کر جو معدودے چند بڑے کارخانوں میں ملازمت کرتے تھے۔ دستکار بھی کاشت کاری کی طرف ڈھلنے لگے اور اس ہجوم نے زرعی زمین پر اتنا بوجھ ڈالا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی لیکن اس سے زیادہ تباہی کاشت کاروں میں اس لئے پھیلی کہ ہندوستان اب تک زراعت میں عہدِ وسطیٰ کا فرسودہ آلات پیداوار اور طریقہ پیداوار استعمال کر رہا تھا۔ حالانکہ اس میدان میں بھی اسے ترقی یافتہ ملکوں کا مقابلہ کرنا تھا لیکن ہندوستان میں کاشت کاروں کی گردن پر افلاس، جہالت جہاجن، اور بیماری جیسی نحوستیں سوار تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی عوام کو ہر مقابلہ میں شکست ہوئی۔ اس کی کپاس اس کا پٹ سن اور اس کی گندم ادنیٰ درجے کا سمجھا گیا۔ اور بہت کم داموں پر فروخت ہوا۔ اسی طرح ہندوستان کا کپڑا نیل کیمیاوی رنگوں کا مقابلہ اور برابری نہ کر سکا اور رفتہ رفتہ ختم ہو گیا۔

برطانوی حکومت کے معاشی، سیاسی اور ثقافتی نظام اور پالیسی کا مقصد برطانوی سرمائے کے لئے زیادہ سے زیادہ منافع کمانا تھا۔ پس غیر منقسم ہندوستان کی برطانوی حکومت نے جو تعلیمی پالیسی اختیار کی اس کے پیش نظر بھی ان کے وہی مفادات اور مقاصد تھے۔ اس لئے تعلیم کا نصاب ایسا مقرر کیا گیا کہ برطانوی حکومت کے دفاتر میں کام کرنے کے لئے بہت سے کلرک تیار ہو گئے یہاں تک کہ قدیم تعلیم کو لوگ بھول گئے اور قدیم تعلیمی ادارے اور درس گاہیں بند ہونا شروع ہو گئیں اور آہستہ آہستہ یہ تعلیمی ادارے اور درس گاہیں مفقود ہو گئیں۔ ہندوستانی عدالتوں میں انگریزی زبان کا استعمال ہونے لگا۔ برطانوی مفادات کے تابع انگریزی تعلیم کا رواج تیزی سے بڑھ گیا۔ سرکاری و خانگی مدارس میں بھی توسیع ہوئی اور ان کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا اور ۱۹۳۷ء میں سرکاری ملازمت میں انگریزی دانوں کا حق وضع کیا گیا پھر کیا تھا۔ اس کے بعد انگریزی زبان کا دور دورہ ہو گیا۔ درس گاہوں میں انگریزی داخل ہو گئی اور ہوتے ہوتے سارے ہندوستان کی درباری و سرکاری زبان قرار پائی۔ علمی و ادبی زبان بنی اور وہ وقت آ گیا کہ اعلیٰ طبقوں کی مادری زبان بھی انگریزی ہو گئی اور بقول لارڈ میکالے "ہندوستان میں جاگیرداروں، سرمایہ داروں، تاجروں اور برطانوی سامراج کے ایجنٹوں کا ایک مخصوص طبقہ پیدا ہو گیا۔ جس کا مقصد برطانوی مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔"

برطانوی سامراج کے نمک خوار لارڈ میکالے کا فلسفہ تعلیم جدید خود اس کے الفاظ میں یہ تھا۔ کہ مغربی طرزِ تعلیم کے ذریعے ہندوستانیوں کی قلبِ ماہیت کر دی جائے اور ہندوستانیوں کی ایک ایسی جماعت تیار ہو جو رنگ و نسل

پڑھنے والوں کی تعداد

میں اضافہ اور پڑھانے

والوں کی تعداد میں

کمی پیدا کی گئی ۔

میں تو ہندوستانی ہی رہے لیکن معاشرے، خیالات، جذبات اور دوسری تمام باتوں میں انگریز ہو جائے۔ ۔ نظام تعلیم اس اصول پر تشکیل نہیں کیا گیا کہ ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کے بعد انہیں صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کا حقیقی درجہ پر لے آیا جائے اور انہیں نئی قدروں سے روشناس کیا جائے بلکہ یہ کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی ایک کلرک یا منشی کا کام کر سکے یا زیادہ سے زیادہ وہ انگریز کے ماتحت ایک فرمانبردار اور نیک، زبردست افسر بن سکے۔ وہ ایک مشین کا پرزہ ہو جو کہ برطانوی سیاسی مشینری میں فٹ آ جائے۔

موجودہ نظام تعلیم

آج پاکستان ایک نئے تاریخی دور کی دہلیز پر کھڑا ہے اس سرزمین کے کروڑوں افراد اپنی برسوں کی گہری نیند سے بیدار ہو رہے ہیں۔ اور انہیں اب اپنے قومی نصب العین کے لئے نئے تصور کا احساس ہو رہا ہے۔ عوام کی اجتماعی زندگی میں اپنے حقوق کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے عدیم النظیر جوش و خروش پایا جا رہا ہے۔ پاکستان کے ہر موضوع خیال کے حلقۂ عمل میں بے شمار زبردست اور اہم تبدیلیاں جنم لے رہی ہیں۔ اس بات میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ شہر اور گاؤں۔ زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک متحرک ہیں۔ طلوعِ سحر کے استقبال کے لئے عوام کی مستعدی بھی بیدار ہو چکی ہے اور زندگی کی کڑی حقیقتوں کا احساس ان کے دلوں میں پیدا ہو چکا ہے

موجودہ عہد پاکستان کے کروڑوں عوام الناس کے لئے نئی امیدیں لایا ہے۔ آج کل پاکستان میں ہر فرد کے دل میں دو خاص آرزوئیں ہیں۔ افلاس کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہو جائیں اور نئے پاکستان کی تعمیر میں حصہ لیں بھوک افلاس، بیماری، ظلم اور جہالت کے خلاف لمبی جدوجہد کرنے کا عزم ان میں جلا پا رہا ہے۔ غریب اور مفلس عوام کی صدیوں کی خاموشی اب ایک پکار بن کر ابھرنے والی ہے

ملک کے معاشی، سیاسی اور ثقافتی نظام کی طرح تعلیم کا جو نظام آج کل پاکستان میں رائج ہے اسے تقریباً ملک کی پوری آبادی یعنی قریب قریب بارہ کروڑ پاکستانی عوام برا کہتے ہیں۔ اس نظام کا سلسلہ نسب برطانوی مفادات کا تحفظ کرنے والے لارڈ میکالے کے نظریہ تعلیم سے ملتا ہے۔ جس کے ثمرات کے بارے میں لارڈ منٹو وائسرائے ہند نے ۱۸۱۱ء میں لکھا کہ ہندوستان میں علوم و فنون روبہ تنزل ہیں۔ نہ صرف یہ کہ عالموں کی تعداد میں کمی ہو گئی ہے بلکہ یہ کہ حلقۂ علم بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اعلیٰ علوم کی تعلیم منقطع ہو گئی ہے۔ ادب سے توجہ ہٹ گئی ہے۔ اور سوائے مذہبی واقفیت اور شرعی علوم کے سب علوم کی تعلیم عوام نے ترک کر دی ہے۔ ان حالات میں انگریزی کی تعلیم شروع ہوئی اور انگریزی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا۔ انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے سے دیسی زبان کی ترقی کو نقصان پہنچا ہے، عوام میں تعلیم عام نہ ہو سکی۔ علوم و فنون کے اعلیٰ طالب علم انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد نقال اور طوطے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور ان میں تحقیق، ایجاد اور تنقید کا مادہ پیدا نہیں ہوتا۔

کلرکوں کی گنجائش نہیں، ہل اور ہتھوڑے کا ہنر سکھاؤ

سر جارج انڈرسن، گورنمنٹ آف انڈیا کا ایجوکیشنل کمشنر تھا گویا ہندوستان کی انگریزی سلطنت کی نظر میں تعلیمی معاملات کا سب سے بڑا معتبر اس نے کوئنکوینیل ریویو ۳۲-۱۹۲۷ء QUINQUENNIAL REVIEW صفحہ ۱۱۷، ۱۱۶ میں لکھا ہے کہ "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسکول کی ثانوی جماعتوں اور کالج کی جماعتوں میں دل شکن نتائج نظر آتے ہیں، ان میں سے بیشتر کا سراغ اس بات میں جا کر ملتا ہے کہ ذریعہ تعلیم غیر ملکی ہے تعلیم کے ان درجوں میں موجودہ نظام تعلیم کا یہ اثر اندوہ افزا ہے کہ اگرچہ چند ذہین طلبہ قابل ستائش سلاست کے ساتھ انگریزی بولتے اور لکھتے ہیں مگر طلبا کی زیادہ تعداد ایسی ہے کہ ان کی قوت فکر معدوم ہو رہی ہے ان کی یہ قابلیت غائب ہوتی جا رہی ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو کسی زبان میں ظاہر کر سکیں۔"

موجودہ نظام تعلیم کے بارے میں مندرجہ بالا اقتباسات خود پسند دشمن خیال برطانوی کارندوں کے خیالات و نظریات کا مظہر ہیں ان سامراجی کارندوں کا ضمیر انہیں اپنی مکروہ چالوں پر مسلسل ہدف تنقید و ملامت بنائے رہتا تھا برملا برطانوی سامراجی کارندوں سے ہٹ کر خود نور خان سابق گورنر مغربی پاکستان نے اپنی حالیہ تعلیمی رپورٹ میں لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کی موجودہ شکل کے بارے میں لکھا کہ "اگر تعلیم کو قومی ترقی اور استحکام کا ایک وسیلہ بننا ہے تو موجودہ پالیسیوں سے انقلابی انحراف سے کم کوئی قدم درکار نہ ہوگا۔"

پچھلی تیئس سالہ زندگی نے ثابت کر دیا کہ موجودہ نظام تعلیم قومی زندگی کی اہم ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکا اور اس کی طاقتوں کو ٹھیک راستے پر نہیں لگا سکا آج جب کہ دنیا بجلی کی سی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے اقوام کی زندگی نئی روپ لے رہی ہے، ہماری تعلیم زندگی کے اصل دھارے سے الگ اپنے اسی پرانے ڈھرے پر جا رہی ہے اور بدلتے ہوئے حالات سے قطعاً کوئی میل نہیں کھاتی نہ تو وہ ہماری روزمرہ کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے اور نہ اس کے سامنے کوئی ایسا بلند تخیل ہے جو قوم کے نیم جان جسم میں زندگی کی تڑپ پیدا کر دے۔ وہ طالب علموں کو یہ نہیں سکھاتی کہ عوام کی عظیم اکثریت کی خدمت کے لئے معاشرہ کے مفید رکن بنیں، اپنا بوجھ آپ اٹھائیں اور روزی ترقی کے کاموں میں اچھی طرح حصہ لیں اس کو چاہیئے تھا کہ ایسے سماج کی جگہ جس میں انسان پر انسان کی لوٹ کھسوٹ کو قانونی تحفظ حاصل ہے، نئے سماج کی بنیاد ڈالے جس میں سب مل کر کام کر سکیں اور انسانی محنت سے حاصل ہونے والے معاوضے کو مشترکہ طور پر استعمال میں لائیں لیکن تعلیم کا موجودہ نظام تو اونچ نیچ اور کمتر و برتر کی تعلیم دیتا ہے اسی لئے ہر طرف سے پکار ہے کہ تعلیم کے اس فرسودہ نظام کو بدل کر ایک نیا نظام بنایا جائے جس کی بنیاد محنت کش انسانوں کی ہمدردی اور بھلائی پر رکھی گئی ہو جو قوم کی ضرورتوں اور خیالات سے میل کھاتا ہو اور اس کی اہم ضرورتوں کو پورا کرتا ہو۔

تعلیم کے نئے تصور کو نہایت اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے طالب علموں کو کم از کم یہ موقع ضرور ملنا چاہیئے کہ وہ اپنے ملک کے مسائل اپنے حقوق کو اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور پاکستان میں وقوع پذیر ہونے والی نئی معاشی، سیاسی، سماجی اور تمدنی تبدیلیوں سے بہرہ ور ہو سکیں تعلیم کا نظام ایسا ہو کہ ملک کا ہر فرد سماج کا کام کرنے والا رکن بنے اور نظری تعلیم کو عملی سطح سے ملانے کے لئے نئی تبدیلیاں عمل میں لا سکنے کے قابل ہو۔

انگریز کا نظامِ تعلیم

جب تک رہے گا

اس وقت تک

یہی ہوتا رہے گا

ایسے نظام کی بدولت یہ ہو سکے گا کہ ساری قوم کے بچے مل جل کر کام کریں گے، طبقاتی بندھن ڈھیلے ہوں گے اور ہاتھ کا کام کرنے والوں اور دماغ کا کام کرنے والوں کو ایک دوسرے سے جو بیر ہے، وہ جاتا رہے گا۔ صنعت و حرفت زراعت، باغبانی، تعمیرات، صحت اور دستکاری کی عملی تعلیم ملک کی ترقی کی رفتار میں بے پناہ اضافہ کی باعث بھی ہو سکے گی۔ اس سے نوجوان نسل میں عوامی خدمت، جینے کی اہمیت اور ملکی مفادات کے حصول کا عظیم جذبہ پیدا ہو سکے گا۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے دلوں میں محنت کی بھی عزت اور سب انسانوں کے ایک ہونے کا خیال پیدا ہو گا۔ اس طرح علم کو زندگی سے لگاؤ پیدا ہو گا اور اس کے سب پہلو ایک دوسرے سے جڑے ہوں گے۔

تعلیمی ترقی کا جائزہ

پاکستان کے طول و عرض میں اخبارات رسائل و جرائد ریڈیو ٹیلی ویژن غرضیکہ مختلف حکومتی ذرائع نشر و اشاعت کے ذریعے یہ غلط تصور قائم کرنے کی شب و روز کوششیں کی جا رہی ہیں کہ پاکستان نے تعلیمی میدان میں زبردست ترقی کی ہے۔ حکومتی دعوؤں کے مطابق اس "عظیم تر ترقی" کو پرکھنے کے لئے اگر ہم خود حکومت کے شائع کردہ "غلط" اعداد و شمار کا بھی مطالعہ کریں تو "ترقی کا راز عیاں ہو جاتا ہے" اور جھوٹ کی ہانڈی بیچ سڑک پر پھوٹ جاتی ہے۔ تعلیمی محاذ پر پاکستان کی بے مثال ترقی کی حقیقت یہ ہے کہ ملک کی بارہ کروڑ آبادی کا صرف اندازاً سترہ فی صدی تعلیم یافتہ افراد کے زمرے میں آ سکتے ہیں ان سترہ فی صدی "تعلیم یافتہ افراد" میں سے بھی وہ "خوش قسمت" جو کہ ابتدائی مدارج طے کر کے ثانوی درجوں میں پہنچے ان کی کل تعداد کا صرف بیس فی صدی ہے۔ خلاف تحقیق کہ اس دور میں کسی سے صرف دستخط سیکھ لینے والے افراد کو بھی ہمارے وطن عزیز میں تعلیم یافتہ افراد کے صف میں شمار کیا جاتا ہے۔

قیام پاکستان کے وقت تعلیم کی ترقی پر ملک کی کل قومی آمدنی کا ایک فی صدی صرف کیا جاتا تھا جو سترہ اٹھارہ سال بعد ۱۹۶۴ء میں بڑھ کر دو اعشاریہ چھ فی صدی ہو گیا تعلیم کی مد میں ہونے والے اخراجات کی اس صورت حال سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اب مزید سات سال بعد ۱۹۷۱ء میں تعلیمی اخراجات کل قومی آمدنی کا کتنے فی صدی ہو گیا ہو گا؟ جب سے ملک میں معاشی منصوبہ بندی کا آغاز ہوا ہے یعنی ۱۹۵۵ء میں پہلا پانچ سالہ منصوبہ شروع کیا گیا تو تعلیم کی مد میں چار کروڑ ساٹھ لاکھ روپے رکھے گئے، دوسرے پانچ سالہ منصوبے میں جو ۱۹۶۰ء میں شروع ہوا تعلیم پر اخراجات کو بڑھا کر دس کروڑ پچاس لاکھ روپے کیا گیا اور تیسرے منصوبے میں یہ رقم بڑھ کر

سرکاری اعداد و شمار جھوٹ کا پلندہ ہیں

تینتیس کروڑ اٹھتر لاکھ روپے ہو گئی۔ حقیقتاً پندرہ سال کے طویل عرصے میں تعلیمی اخراجات تقریباً تین گنا ہوئے ہر سال تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے بلکہ مختصراً یہ کہا جائے کہ بارہ کروڑ عوام الناس کی تعلیم کے لئے اخراجات میں پندرہ سال کے عرصے میں تین گنا اضافہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جب کہ دوسری جانب نوکر شاہانہ تصرف اور کنٹرول بھی ہو اور رشوت، سرکاری مال میں چوری، اقربا پروری اور سرکاری دولت کا ناجائز استعمال اپنی جگہ نہایت اطمینان سے جاری ہو۔

پھر بھی اک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ اعداد و شمار ایک عام آدمی کو جس کا ان معاشی و شماریاتی اعداد کے گورکھ دھندوں سے کبھی واسطہ نہ پڑا ہو۔ یقیناً تھوڑی دیر کے لئے حیران و پریشان کر دیں گے۔ وہ حکومت کے متواتر سحر آفریں پروپیگنڈہ کا وقتی طور پر شکار ہو جائے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں، لیکن جب وہ ان اعداد و شمار سے نظریں ہٹا کر گرتی ہوئی روپے کی قیمت اور مسلسل بڑھتی ہوئی مہنگائی کو اپنے ذاتی تجربے کی حیثیت میں سامنے لاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ جب اس کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ ملک کی آبادی کے بڑھنے کی شرح کیا ہے؟ اور تعلیم پر حکومت کے اخراجات میں اضافہ کی شرح کیا ہے؟ اور تعلیم یافتہ افراد میں اضافہ کی شرح اور ملک کی آبادی میں اضافہ کی شرح میں کیا نسبت ہے؟ پھر اس شخص کی سمجھ میں یہ بات آسانی سے آجاتی ہے کہ اس دور میں بالخصوص موجودہ معاشی نظام کے تحت یہ اعداد و شمار اپنی حقیقت کھو چکے ہیں اور ان بڑی بڑی رقموں کی حیثیت اعداد کی گورکھ دھندے کے علاوہ کچھ بھی نہیں!

آیئے ہم مختلف اوقات میں تعلیم کے مختلف مدارج کا جائزہ الگ الگ عنوانات کے تحت لیں تاکہ تعلیمی مسائل کا بہتر اور صحیح علم ہو سکے۔

ابتدائی تعلیم

ملک میں بیس سال کے عرصے میں یعنی ۱۹۴۷-۴۸ء سے ۱۹۶۶-۶۷ء کے دوران ابتدائی اسکولوں کی تعداد ۴۰۵ر۴۶ سے بڑھ کر ۹۴۷ر۶۱ ہو گئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ بیس سال کے عرصے میں چھوٹی عمر کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اسکولوں کی تعداد میں دگنا سے کچھ کم اضافہ ہوا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ تعلیمی ترقی کے لئے اسکولوں کی مزید تعمیر کی جگہ مشرقی پاکستان میں ابتدائی اسکولوں کی تعداد میں کافی کمی ہوئی بہت سے اسکول بند کر دیئے گئے جب کہ مغربی پاکستان میں پچھلے بیس سالوں میں ابتدائی اسکولوں کی تعداد چار گنی ہو گئی۔ اسکولوں کی تعداد کے ساتھ ہی اگر طالب علموں کی تعداد کا بھی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ۱۹۴۷-۴۸ء کے مقابلے میں طلبا کی تعداد میں تقریباً تین گنا اضافہ ہوا۔

ابتدائی اسکولوں کی تعداد میں بیس سال کے دوران دگنے سے کچھ کم اضافہ اور طالب علموں کی تعداد میں تین گنا اضافے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہر ابتدائی اسکول پر طالب علموں کا بوجھ بڑھ گیا جس کا اثر یقیناً معیار تعلیم پر پڑنا لازمی ہے۔ مشرقی پاکستان میں حالت اور کچھ اور ہی رہی تعلیمی اداروں کی تعداد میں کافی حد تک کمی کی گئی جب کہ اس کے برعکس طلبا کی تعداد میں دگنا اضافہ ہوا۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملک میں بڑھتے ہوئے تعلیمی انحطاط کا اصل سبب کیا ہے۔

دوسرے پہلو پر یہ کہ اساتذہ کی کل تعداد میں اضافہ دگنے سے کچھ کم ہی رہا یعنی طالب علموں کی تعداد ابتدائی اسکولوں اور اساتذہ کی نسبت بیس سال کے دوران تیزی سے بڑھی جس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ اساتذہ اپنی پوری کوشش کے باوجود شاگردوں پر خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے۔

ثانوی تعلیم

ثانوی تعلیم کی ترقی کی رفتار، ابتدائی تعلیم کی رفتار ترقی سے بھی کم رہی، بیس سال بعد حکومتی اعداد و شمار کے مطابق ثانوی تعلیمی اداروں کی تعداد ۱۹۴۷-۴۸ء کے مقابلے میں ڈیڑھ گنے سے بھی کچھ کم ہی تھی۔ مشرقی پاکستان میں صورت حال ابتدائی تعلیم کی طرح اس میں بھی کافی سست رکھی گئی۔ قیام پاکستان کے وقت مشرقی پاکستان میں ساڑھے تین ہزار کے قریب اسکول تھے بیس سال کے عرصے میں چھ کروڑ سے زیادہ آبادی کے حصے میں صرف نو سو اسکول تعمیر کئے گئے مغربی پاکستان میں دو ہزار چھ سو کے قریب ثانوی اسکول قیام پاکستان کے وقت یہاں کے طالب علموں کی تعلیم و تربیت کرتے تھے۔ بیس سال میں پاکستان کے اس حصے میں دو ہزار کے قریب نئے مدارس قائم کئے گئے یعنی مغربی پاکستان میں ثانوی تعلیمی اداروں کی تعداد بیس سال کے دوران دگنی کی گئی۔

ثانوی تعلیمی اداروں میں طالب علموں کی تعداد ابتدائی درجے کی طرح بڑھ کر دگنے سے زیادہ ہو گئی اساتذہ کی تعداد میں دگنا اضافہ ہوا۔ ثانوی تعلیمی درسگاہوں میں بھی طلبا کی تعداد گنجائش سے زیادہ رہی اور اساتذہ پر بھی زیادہ بار پڑا۔

(باقی آئندہ)

اقوامِ متحدہ اور عظیم چین





چینی قیادت میں
تیسری دنیا کا
عظیم بلاک مؤثر
کردار ادا کرے گا

۲۶ اکتوبر کو اقوامِ متحدہ نے نیا جنم لیا

احفاظ الرحمٰن

۲۶ اکتوبر کو اقوام متحدہ نے نیا جنم لیا ہے۔

۲۶ اکتوبر کو اقوام متحدہ نے اپنی تاریخ کا سب سے اہم فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ اس حقیقت کی علامت بن گیا ہے کہ اب افروایشیائی قوموں کے شعور کا بڑھتا ہوا سیلاب سامراجی قلعوں کی فصیلوں کو توڑ کر اندر داخل ہو چکا ہے۔ اب سامراجی قوتیں اس سیلاب سے بچنے کے لئے ایک بار پھر کاغذ کی کشتیاں بنائیں گے اپنے بتوں کو دوبارہ ترتیب دیں گے۔ لیکن اب وہ خواہ کتنا ہی ہاتھ پاؤں کیوں نہ ماریں، ان کی موت یقینی ہے۔ کہ یہ تاریخ کا ایک اٹل قانون ہے۔

۲۶ اکتوبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۳۵ کے مقابلے میں ۷۶ ووٹوں کی اکثریت سے عوامی جمہوریہ چین کو جنرل اسمبلی اور

چیانگ کائی شیک کی یہ تصویر اس دور کی یاد دلاتی ہے جب وہ کومنتانگ کے غاصبوں اور لٹیروں کی قیادت کر رہا تھا۔ اس کی پھیلائی ہوئی ہلاکت، تباہی، اور غارتگری کے واقعات دہراتے ہوئے آج بھی چینی عوام نفرت سے اپنے ہونٹ سکوڑ لیتے ہیں لیکن آج کاغذ کی وہ ناؤ جس پر چیانگ کائی شیک سوار ہے، غرق ہو رہی ہے۔



سلامتی کونسل کا رکن بنالیا اور تائیوان کو نکال باہر کیا۔ اس سے پہلے جنرل اسمبلی نے امریکہ کی قرارداد کو جس کے ذریعے وہ جنرل اسمبلی میں تائیوان کی نشست محفوظ کرنا چاہتا تھا ۵۳ کے مقابلے میں ۵۶ ووٹوں سے مسترد کر دیا۔

پیکنگ کے "عوامی روزنامہ" نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ یہ دنیا بھر کے عوام کی فتح اور امریکی سامراج کی مکمل شکست ہے! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امریکی سامراج ہی کے ہتھکنڈوں کی وجہ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک چین گذشتہ ۲۲ سالوں سے اپنی جائز نشست سے محروم رہا ہے۔ وہ ہمیشہ عوامی چین کے مقابلے میں غدار چیانگ کائی شیک کے اقتدار

اب زور جبر کی پالیسی نہیں چلے گی۔ نہیں چلے گی

کو سہارا دینے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ امریکی سیاستدان یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح ایک دن چین ان کے قدموں میں آرہے گا اس نے چین کی معاشی اور سیاسی ناکہ بندی کرنے کے لئے اپنے تمام وسائل صرف کر دیئے۔ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ چینی خاموشی سے سر جھکائے محنت کرتے رہے اور آج ان کا ملک اس منزل پر پہنچ چکا ہے کہ خود شکست خوردہ امریکی سیاستدان اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ چین ایک بہت بڑی قوت بن چکا ہے اور ایٹمی میدان میں امریکہ اور روس کے برابر پہنچ چکا ہے۔ دوسری طرف کاغذ کی وہ ناؤ جس میں انہوں نے چیانگ کائی شیک کو سوار کرایا تھا۔ تیزی کے ساتھ غرقاب ہو رہی ہے۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ سامراجیوں کی اپنی منطق ہوتی ہے۔ اور عوام کی اپنی منطق ہوتی ہے۔ سامراجی اپنا مستقبل کاغذ کی کشتیاں سے وابستہ کرتے ہیں اور عوام کا سہارا ان کا اپنا شعور ہوتا ہے۔

گذشتہ سال جنرل اسمبلی میں چین کی رکنیت کا مسئلہ پیش ہوا اور اس پر رائے شماری ہوئی تو امریکی سیاستدان سہم گئے اور انہیں پوری طرح اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اب وہ چھوٹے ممالک کو زیادہ عرصے تک چین کی رکنیت کے خلاف ووٹ دینے پر مجبور نہیں کر سکے گا۔ تو انہوں نے دو چین کا فارمولا پیش کیا۔ لیکن بہت جلد انہیں اس بات کا احساس ہو گیا کہ اب بات بہت آگے نکل گئی ہے اور ڈور ان کے ہاتھ سے چھوٹتی جا رہی ہے تو انہوں نے ایک بار پھر اپنے سارے پتے میز پر پھیلا دیئے اور اپنے جال کو "ایک تائیوان، ایک چین" کے خوشنما رنگوں سے سجانے کی کوشش کی۔ لیکن دنیا کے عوام کا

چین کی رکنیت کیلئے افروایشیا کے ۱۷ ممالک کی قرارداد

اقوام متحدہ میں عوامی جمہوریہ چین کے جائز حقوق کی بحالی اور شمولیت کے لئے ۱۷ ممالک — البانیہ، الجزائر، کیوبا، گیمبیا، عراق، مالی، ماریطانیا، عوامی جمہوریہ یمن، عوامی جمہوریہ کانگو، رومانیہ، صومالیہ سوڈان، شام، متحدہ جمہوریہ تنزانیہ، یمن، یوگوسلاویہ اور زمبیا کی جانب سے ۱۵ جولائی ۱۹۷۱ء کو قرارداد کا جو مسودہ پیش کیا گیا۔ اس کا متن مندرجہ ذیل ہے۔

قرارداد کا مسودہ

اقوام متحدہ میں عوامی جمہوریہ چین کے قانونی حقوق کی بحالی کے لئے۔

جنرل اسمبلی۔

اقوام متحدہ کے چارٹر کے اصولوں کے پیش نظر اس نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ عوامی جمہوریہ چین کے جائز حقوق کی بحالی نہ صرف اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحفظ کے لئے ضروری ہے بلکہ اس نصب العین کے لئے بھی ضروری ہے کہ اقوام متحدہ کو اس چارٹر کے تحت کام کرنا چاہئیے۔

اس بات کو تسلیم کرتے ہوتے کہ صرف عوامی جمہوریہ چین کے نمائندے ہی اقوام متحدہ میں چین کے جائز نمائندے ہیں اور یہ کہ عوامی جمہوریہ چین سلامتی کونسل کے پانچ مستقل اراکین میں ایک رکن ہے۔

عوامی جمہوریہ چین کے تمام حقوق کو بحال کرنے کا فیصلہ کرتی ہے، اور اس کی حکومت کے نمائندوں کو اقوام متحدہ میں واحد قانونی نمائندے تسلیم کرتی ہے اور اقوام متحدہ اور اس سے ملحقہ تمام اداروں سے چیانگ کائی شیک کے نمائندوں کو خارج کرتی ہے۔ جن پر انہوں نے غیر قانونی طور پر قبضہ کر رکھا ہے۔

امریکی سامراج نے ۱۷ اگست ۱۹۷۱ء کو جو قرارداد پیش کی اس کا متن حسب ذیل ہے۔

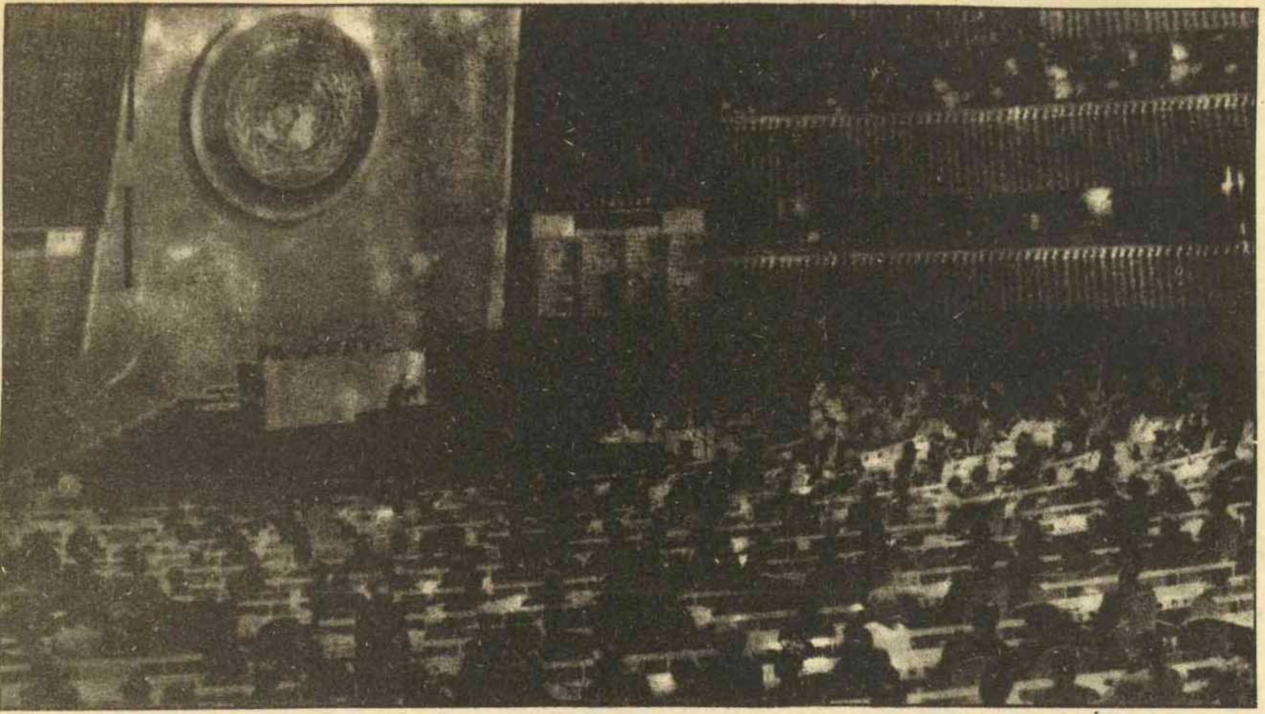
محترم سیکرٹری جنرل!

میں اپنی حکومت کی ہدایات کے مطابق اقوام متحدہ کے منشور کی دفعہ ۱۴ کے تحت "اقوام متحدہ میں عوامی جمہوریہ چین کی شمولیت" کے مسئلہ کو جنرل اسمبلی کے ضمنی ایجنڈے میں شامل کرنے کی استدعا کرتا ہوں۔

ایک وضاحتی قرارداد کا مسودہ زیر دفعہ ۲۰ اس خط کے ساتھ منسلک ہے۔

جناب والا! میں اپنی جانب سے مکمل تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔

جارج بش
(نمائندہ امریکہ)



سعودی عرب نے امریکی سامراج کا حقِ نمک ادا کر دیا

شعور کسی بھی نکتے پر مصالحت کرنے پر تیار نہیں تھا۔ اُدھر چین نے واضح طور پر یہ اعلان کر دیا کہ وہ تائیوان کے ساتھ جنرل اسمبلی میں نہیں بیٹھے گا۔ یہ دیکھ کر امریکی سامراجیوں نے آخری داؤ لگایا اور چین کی رکنیت اور تائیوان کے اخراج کو اہم مسئلہ قرار دے کر دو تہائی اکثریت کی شرط عائد کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اس مسئلے پر رائے شماری ہوئی تو انہیں ایک بار پھر منہ کی کھانی پڑی۔ اور ان کی قرارداد کو ۵۳ کے مقابلے میں ۵۶ ووٹوں سے شکست ہو گئی۔ اور پھر آخری نتیجہ دنیا کے سامنے ہے، سورج نکلا ہوا تھا۔ دنیا دن کو رات کہنے پر آمادہ نہیں تھی جنرل اسمبلی میں امریکی مندوب سر پٹختا رہا۔ اپنے سر کے بال نوچتا رہا، اور افروایشیائی ممالک کے مندوبین خوشی سے ناچتے رہے۔ البانیہ کے نمائندے نے کہا "یہ امریکی سامراج کی سب سے بڑی شکست ہے۔" تو جارج بش کے سینے پر سانپ لوٹ گیا اور وہ جھنجلا کر میز پر مکے برسانے لگا۔

جنرل اسمبلی میں امریکی مندوب کا رویہ کیا ظاہر کرتا ہے؟ یہ کہ امریکی سامراج نے اپنی شکست قبول نہیں کی ہے۔ اور وہ اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے ہر ممکن ہتھکنڈا استعمال کرتا رہے گا امریکی سامراج کا سرغنہ نکسن ایک طرف تو یہ کہتا تھا کہ چین جیسے بڑے ملک کو اقوام متحدہ سے باہر رکھنا بہت بڑی ناانصافی ہے۔ لیکن دوسری طرف وہ اسے باہر رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اس کے برخلاف چین نے اقوام متحدہ میں شمولیت کے لئے کبھی اضطراب کا اظہار نہیں کیا۔ چینی لیڈر ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ ہم دس سال بیس سال بلکہ پچاس سال تک انتظار کر سکتے ہیں۔ اب اس کو کیا کہیے کہ سامراجیوں اور استحصالیوں کے تمام نتائج، تمام منطق ان کی خوش فہمیوں پر مبنی ہوتی ہے کیونکہ ان کے پاس عوام کے شعور کو ماپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا۔ اب چین کا اژدہا جس سے بچنے کی ہمیشہ وہ کوشش کرتے رہے ہیں۔ ان کے سامنے منہ کھولے کھڑا ہے۔

اقوام متحدہ میں چین کی رکنیت کے مسئلے پر افریقہ اور ایشیا کے چھوٹے ممالک نے جس دانش مندی اور شعور کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑے ممالک کی زور زبردستی کی پالیسی کو برداشت نہیں کریں گے۔ اور ان کے اشاروں پر ناچنے پر تیار نہیں ہوں گے۔ ان ممالک میں بہت سے ممالک، بشمول پاکستان ایسے ہیں جو ابتدا ہی سے چین کو اقوام متحدہ میں نشست دینے کے حامی رہے ہیں، لیکن گذشتہ سالوں میں بین الاقوامی سیاست کے اتار چڑھاؤ نے بہت سے ایسے ممالک کو بھی چین کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور کر دیا جو ماضی میں امریکی سامراج کے دباؤ کے تحت چین کی مخالفت پر اڑے ہوئے تھے۔ بہرحال ان ممالک کی یہ تبدیلی بڑی معنی خیز ہے کہ وہ اب دن کو دن کہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اور چاند کو گل کرنے کی امریکی سازشوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ ان ممالک کی حکومتیں اپنے عوام کے بڑھتے ہوئے شعور کے خلاف مزید مزاحمت نہیں کر سکتیں، بالکل اسی طرح جیسے کہ امریکی سیاستدان اپنے ملک کی رائے عامہ کے آگے بے دست و پا نظر آ رہے ہیں۔ اس کے باوجود بعض ممالک کے ہٹ دھرم حکمران یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اب بھی اپنے عوام کو گمراہ کر سکتے ہیں۔ اقوام متحدہ میں چین کی رکنیت کے مسئلے پر جن ممالک نے چین کے خلاف ووٹ دیا ہے۔ ان کا شمار اسی قبیلے میں ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے مایوس کن رویہ سعودی عرب کی حکومت کا ہے۔ فلپائن اور جاپان جیسے ممالک کی ہٹ دھرمی کا جواز تو پیش کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ اپنے مخصوص جغرافیائی اور سیاسی مفادات کے پیش نظر چین کی عوامی حکومت کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھتے ہیں۔ آسٹریلیا گندم کی برآمد کے مسئلے پر چین کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ اور ناکامی کے بعد کھسیانو ہو رہا تھا۔ لیکن سعودی عرب کا جو افروایشیائی ممالک کی برادری کا ایک رکن ہے، سامراجیوں کے مفادات سے ہم آہنگ ہونا بڑا معنی خیز ہے۔ سعودی عرب کے نمائندے نے اس مرحلے پر جب کہ امریکی سامراج اور اس کے حواریوں کی شکست سامنے نظر آ رہی تھی؛ امریکی سامراج کے اشارے پر تائیوان کی نشست برقرار رکھنے کے لئے ایک انتہائی مذموم کوشش کی تھی اس سلسلے میں سعودی عرب کی حکومت دنیا کی سب سے

رجعت پسند اور امریکی سامراج کی سب سے وفادار حکومت ثابت ہوئی ہے۔ سعودی عرب کے حکمران ہمیشہ سے عوام کے مفادات کے خلاف امریکی سامراج سے گٹھ جوڑ کرتے رہے ہیں۔ وہ اب بھی دن کو رات کہنے پر بضد ہیں۔ انہیں ابھی یہ احساس نہیں ہوا کہ عوام کے شعور کے سامنے جو خود امریکہ کے اندر سامراجی فیصلوں میں شگاف ڈال رہا ہے، ان کے چھوٹے سے مورچے کی حیثیت کیا ہو گی۔

اقوام متحدہ چین کا رکن بن چکا ہے۔ امریکی سامراج اور ان کے تمام حواریوں کو مکمل شکست ہو چکی ہے اور اب انہیں ان تمام نتائج کا سامنا کرنا ہو گا جس سے وہ ہمیشہ خائف رہے ہیں۔

اور جس کی وجہ سے وہ چین کو اقوام متحدہ میں نشست دینے سے گریزاں رہے ہیں۔ انہیں ہمیشہ سے اس بات کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ کہ اگر چین اقوام متحدہ میں آگیا تو ان کی زور زبردستی کی پالیسی کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ اور پسماندہ افرو ایشیائی اقوام کو اقوام متحدہ میں ایک بیباک نمائندہ مل جائے گا۔ جو ان کی کسی بھی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

چین افریقہ اور ایشیا کی پسماندہ قوموں کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ اسے سامراجیوں اور سوشل سامراجیوں کی طرح کبھی توسیع پسندی کا جنون نہیں رہا۔ اسے کبھی دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کا شوق نہیں تھا۔ اسے



کبھی چھوٹے ممالک پر فیصلے مسلط کرنے کی ہوس نہیں تھی وہ ہمیشہ مساوات اور انصاف پسندی کا پرچار کرتا رہا ہے۔ چین کے اقوام متحدہ میں آنے کے بعد افریقہ اور ایشیا کے چھوٹے ممالک کی تیسری دنیا کو بہت بڑا سہارا ملے گا۔ اور یہ ایک ایسا مضبوط بلاک بن جائے گا جو سامراجیوں اور سوشل سامراجیوں کی دنیا کو تقسیم کرنے کی سازشوں کو خاک میں ملا دے گا۔ افریقہ اور ایشیا کے چھوٹے چھوٹے مظلوم ممالک چین کے پرچم تلے جمع ہو کر زیادہ بیباکی کے ساتھ اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھا سکیں گے۔

چین کے لیڈروں کو اقوام متحدہ سے کچھ زیادہ خوش فہمی بھی نہیں ہے۔ وہ واضح طور پر اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اقوام متحدہ میں شامل ہونے سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ سامراج کے خلاف اس اسٹیج کو بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں بڑے ممالک کی زور زبردستی کی سیاست کو بے نقاب کرنا چاہتے ہیں۔ اور سفارتی میدان میں سامراجیوں کی ریشہ دوانیوں کا سدباب کرنا چاہتے ہیں۔

اب جبکہ سامراجیوں کی تمام مخالفانہ سازشوں کے باوجود چین اقوام متحدہ کا رکن بن چکا ہے۔ سامراجی قوتیں ایک بار پھر سر جوڑ کر بیٹھ جائیں گی۔ اور ایک بار پھر اپنے تمام پتے میز پر پھیلا دیں گی اور انہیں نئے سرے سے ترتیب دینے کی کوشش کریں گی۔ دوسری طرف دنیا کی چھوٹی اقوام چین کی قیادت میں اپنے محاذ کو اور مضبوط کر لیں گی۔ ان حالات میں سامراجی اپنی روایات کے مطابق مجنونانہ انداز میں ڈوبتے ہوئے شخص کی مانند اور تیزی سے ہاتھ پاؤں چلائیں گے اور اپنے گرد پڑے ہوئے پھندوں میں اور اضافہ کر لیں گے۔ اقوام متحدہ کے مستقبل کا دارومدار انہیں دو مخالف کیمپوں کی جدوجہد کی رفتار پر ہے۔ جیسا کہ ایک بار چواین لائی نے کہا تھا۔

"اگر چین اقوام متحدہ کا رکن بن گیا تو اس کے صرف دو ہی نتائج ہوں گے، یا تو اس کا کردار بالکل بدل جائے گا۔ یا یہ ادارہ لیگ آف نیشنز کی طرح اپنی موت آپ مر جائے گا۔"

سعودی عرب نے مخالفت میں ووٹ ڈالا

عوامی جمہوریہ چین کو اقوام متحدہ میں شامل کرنے اور تائیوان کی رکنیت ختم کرنے کا جو تاریخی فیصلہ ہوا اس کے حق میں ۷۶ ووٹ آئے۔ چین کو عالمی ادارے کا رکن بنانے کی قرارداد پاکستان اور البانیہ نے پیش کی تھی۔ اس کی حمایت کرنے والے ۷۶ ملکوں کے نام یہ ہیں۔

افغانستان، البانیہ، الجزائر، آسٹریا، بلجیم، بھوٹان، بوٹسوانا، برطانیہ، بلغاریہ، برما، برونڈی، بائیلو رشیا، کیمرون، کینیڈا، سیلون، چلی، کیوبا، چیکوسلوواکیہ، ڈنمارک، ایکواڈور، استوائی گنی، ایتھوپیا، فن لینڈ، فرانس، گھانا، گنی، گیانا، ہنگری، آئس لینڈ، بھارت، ایران، عراق، آئرلینڈ، اسرائیل، اٹلی، کینیا، کویت، لاؤس، لیبیا، ملائیشیا، مالی، موریطانیہ، میکسیکو، منگولیا، مراکش، نیپال، نیدرلینڈ، نائیجیریا، ناروے، پاکستان، جنوبی یمن، عوامی جمہوریہ کانگو، پیرو، پولینڈ، پرتگال، رومانیہ، روانڈا، سینیگال، سیرالیون، سنگاپور، صومالیہ، سوڈان، سویڈن، شام، تنزانیہ، ٹوگو، ٹرینیڈاڈ، ٹوباگو، تیونس، ترکی، یوگنڈا، یوکرائن، روس، یمن، یوگوسلاویہ اور زیمبیا،

۳۵ ملکوں نے قرارداد کی مخالفت میں ووٹ دیا۔ ان کے نام درج ذیل ہیں۔

آسٹریلیا، بولیویا، برازیل، سنٹرل افریقن ری پبلک، چاڈ، کانگو (ڈیموکریٹک ری پبلک)، کاسٹاریکا، ڈاہومی، ڈومینیکن ری پبلک، ال سلواڈور، گیبون، گمبیا، گوئٹے مالا، ہیٹی، ہنڈوراس، آئیوری کوسٹ، جاپان، خمیری ری پبلک، لی سوتھو، لائبیریا، مڈغاسکر، ملاوی، مالٹا، نیوزی لینڈ، نکاراگوا، نائیجر، پیراگوئے، فلپائن، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، سوازی لینڈ، امریکہ، اپر وولٹا، یوروگوئے، اور وینزویلا،

۱۷ ملکوں نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔

ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

ارجنٹائن، بحرین، بارباڈوس، کولمبیا، قبرص، فجی، یونان، انڈونیشیا، جمیکا، اردن، لبنان، لکسمبرگ، موریطیوس، پاناما، قطر، اسپین اور تھائی لینڈ۔

ان کے علاوہ اومان، تائیوان، اور جزائر مالدیپ رائے شماری کے وقت غیر حاضر تھے۔

امریکہ کی وضاحتی قرارداد

اقوام متحدہ میں چین کی نمائندگی کے لئے دونوں چین۔ عوامی جمہوریہ چین اور جمہوریہ چین (تائیوان) کا وجود پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور حقیقت پسندانہ غور و خوض کے بعد چین کی نمائندگی کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اقوام متحدہ کو عوامی جمہوریہ چین اور جمہوریہ چین (تائیوان) کے مسئلہ میں الجھنے کی بجائے اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق ایک پر امن قرارداد پاس کرنی چاہیئے۔

اقوام متحدہ میں عوامی جمہوریہ چین کو نمائندگی دینے کے ساتھ ساتھ ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جس سے جمہوریہ چین (تائیوان) اپنی نمائندگی سے محروم نہ ہو۔ قیام امن اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہے کہ اقوام متحدہ چین کی نمائندگی کے مسئلہ کو حقیقت پسندانہ اور منصفانہ انداز میں حل کرے۔

مکتوب مشرقی پاکستان

مُنعم خان کا قتل



دائرے کی شکل میں وہ جگہ نظر آرہی ہے
جہاں سے گولی دوسری طرف نکل گئی۔

عبرت! عبرت! بیٹے کا کان کاٹا گیا، باپ کو گولی ماری گئی

نمائندہ خصوصی۔ڈھاکہ

"ایک تھا ایوب خان اس کے دو گورنر تھے" یہ تھی وہ سرخی جو پاکستان پیپلز پارٹی کے اردو ترجمان "مساوات" نے ایوب خان کے دور کے رسوائے زمانہ گورنر عبدالمنعم خان کی موت پر لگائی تھی۔ دراصل یہ سُرخی ایوب خان کے دس سالہ دورِ استبداد کی پوری داستان تھی جو صرف ایک سُرخی میں سمٹ کر آگئی تھی۔ یہ ایک داستان خونچکاں کا عنوان تھا۔ جو دس سال کے طویل عرصہ پر محیط تھا۔ آج میں اُسی داستان خونچکاں کے ایک اہم کردار (عبدالمنعم خان) کی داستان لکھنے بیٹھا ہوں۔ آج پاکستان کی تاریخ کے اس تاریک اور مہیب دور کی داستان لکھتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس داستان کا آغاز بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ جیسے ایک ملک میں ایک بادشاہ تھا اس کے دو وزیر تھے۔ بادشاہ انتہائی ظالم تھا اور وہ تمام مظالم اپنے وزیروں کے ذریعہ کرواتا تھا۔ لیکن میں یہ داستان لکھتے لکھتے ٹھہر جاتا ہوں کیونکہ مجھے پوری داستان نہیں بلکہ صرف ایک وزیر کی داستان لکھنی ہے جس کا نام عبدالمنعم خان ہے جسے اکتوبر میں گولی مار کر ہلاک کردیا گیا۔ اس دور کی داستان لکھنے کی ذمہ داری مجھ پر نہیں مستقبل کے غیر جانبدار مورخین پر ہے۔ میں تو صرف اس وزیر کی زندگی کی چند جھلکیاں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ موجودہ اور مستقبل میں آنے والی نسلوں کو معلوم ہو کہ وقت انتہائی بے رحم ہوتا ہے اور اللہ ظالموں کو اس دنیا میں ہی سزا دیتا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایوب خان کے دور کے دونوں گورنر (نواب کالاباغ اور عبدالمنعم خان) گولیوں کا نشانہ بن کر ہلاک ہوئے اور دونوں کا حشر ایک ہی جیسا ہوا۔ ایک اپنے بیٹے کے ہاتھوں مرا اور دوسرا ایک "شرپسند" کے ہاتھوں۔ دونوں اپنے دور کے انتہائی شقی القلب گورنر تھے۔ ان کے لئے اپنے سیاسی حریفوں کو بلا کسی جرم آہنی سلاخوں کے پیچھے ٹھونس دینا اور بہ وقت ضرورت موت کے گھاٹ اُتار دینا بہت ہی معمولی بات تھی۔ اتنی معمولی بات جسے وہ خود انجام دینے کی بجائے ان کی اولادیں انجام دیتی تھیں، یہ دونوں گورنر ایوب خان کے دور کے انتہائی اہم اور سب سے زیادہ عرصے تک رہنے والے گورنر تھے۔ اس دور میں ایوب خان کا اقتدار پورے عروج پر تھا؛ گلشن میں رسم زباں بندی تھی۔ اور زبان کھولنے والوں کی بڑی تیزی سے زبان کٹتی تھی۔ اس دور میں ایوب خان کے اقتدار کو چیلنج کرنے والا کوئی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور جو بھی ذرا سا سر اٹھاتا تھا، اُسے بڑی تیزی سے کچل دیا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں یعنی ۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۲ء میں عبدالمنعم خان مشرقی پاکستان کے گورنر بنا دیئے گئے۔ جو ۲۳ر مارچ ۱۹۶۹ء تک یعنی تقریباً ساڑھے چھ سال تک مشرقی پاکستان کے گورنر رہے، عبدالمنعم خان پاکستان کے واحد گورنر ہیں جو اتنے طویل عرصے تک گورنری کے عہدے

منعم خان کا دور، استبداد اور تشدد کا طویل ترین دور تھا



منعم خاں کی آخری تصویر

پر متمکن رہے۔

عبدالمنعم خان ۱۸۹۹ء میں ضلع میمن سنگھ کے کشور گنج سب ڈویژن کے ایک گاؤں ہمایوں پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک متوسط کسان گھرانے سے تھا۔ آپ نے ۱۹۲۰ء میں ڈھاکہ کالج سے گریجوئیشن کیا اور اس کے بعد کلکتہ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۲۷ء میں میمن سنگھ بار میں شمولیت اختیار کی۔ ابتدا میں انہیں سماجی اور فلاحی سرگرمیوں سے بڑی دلچسپی تھی، چنانچہ انہیں ۱۹۲۸ء میں میمن سنگھ ضلع انجمن اسلام کا نائب معتمد منتخب کیا گیا۔ اس کے بعد ان کی خدمات کے مدنظر انہیں ۱۹۳۲ء میں اس ادارے کا معتمد اعلیٰ منتخب کر لیا گیا۔ انجمن اسلام کے معتمد اعلیٰ کی حیثیت سے انہوں نے اس دور کے مشہور کمیشن (FLOUD COMMISSION) کے سامنے بنگال میں زرعی اصلاحات کے لئے کئی مفید اور کارآمد تجاویز پیش کیں۔ ۱۹۳۵ء میں انہوں نے میمن سنگھ میں مسلم لیگ قائم کی اور وہ میمن سنگھ ضلع مسلم لیگ کے بانی سیکرٹری بن گئے اور وہ تین سال تک اس عہدہ پر قائم رہے۔ ۱۹۳۶ء میں منعم خان کی دعوت پر قائد اعظم محمد علی جناح نے میمن سنگھ کا دورہ کیا۔ منعم خان نے اس دور میں میمن سنگھ ضلع میں نیشنل گارڈ قائم کی اور تقریباً ایک لاکھ جوانوں کو مسلح نیشنل گارڈ میں تربیت دینے کے بعد خود اس کے سالار اعظم بن گئے۔ ان کی ان خدمات کے پیش نظر انہیں ۱۹۴۶ء میں پھر میمن سنگھ مسلم لیگ کا سیکرٹری منتخب کر لیا گیا۔ آپ ۱۹۵۵ء تک اس عہدہ پر فائز تھے۔ ۱۹۵۲ء میں انہیں صوبائی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ اور آل پاکستان مسلم لیگ کونسل کا رکن منتخب کیا گیا۔ سیاسی میدان میں ان کے استاد اور رہنما مشہور مسلم لیگی لیڈر نورالامین ہیں جو اس وقت پاکستان جمہوری پارٹی کے سربراہ ہیں، نورالامین بھی میمن سنگھ ضلع سے تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ منعم خان نے سیاست کے میدان میں جو کچھ سیکھا وہ نورالامین سے سیکھا۔ نورالامین جب متحدہ بنگال کی صوبائی اسمبلی کے اسپیکر تھے۔ اس وقت منعم خان کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا جبکہ نورالامین ملک گیر شہرت کے مالک تھے۔ نورالامین جب مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے اس وقت منعم خان ضلعی سطح کے ایک معمولی مسلم لیگی رہنما تھے۔ منعم خان کا اصل عروج پاکستان میں جمہوریت کے خون اور ایوب خان کے برسر اقتدار آنے کے بعد ہوا ورنہ سہروردی، فضل الحق اور مولانا بھاشانی کے دور اور جگتو فرنٹ (مسلم لیگ کے خلاف مختلف سیاسی جماعتوں کے متحدہ محاذ) کی کامیابی کے وقت منعم خان کا کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا۔

انہیں بحیثیت مسلم لیگی لیڈر ملک گیر شہرت اس وقت حاصل ہوئی جبکہ وہ ۱۹۶۲ء میں ایوب خان کے دور میں میمن سنگھ کے حلقہ انتخاب سے قومی اسمبلی کی نشست پر بلا مقابلہ کامیاب ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جبکہ ایوب خان نے اپنے خود ساختہ دستور کے تحت قومی اسمبلی کا انتخاب کرایا تھا۔ اور ایوب خان کی حریف سیاسی جماعتوں نے ایک طرح سے انتخاب کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ چنانچہ منعم خان میمن سنگھ کے حلقہ انتخاب سے بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔ ایوب خان نے دستور بنانے کے بعد جب دیکھا کہ انتخاب کرانا ضروری ہے اور انتخاب میں کامیابی کے لئے ان کی اپنی سیاسی جماعت کا ہونا لازمی ہے تو انہوں نے مسلم لیگ کے مردہ جسم میں روح پھونکنے کی کوشش کی (مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی طبعی موت جگتو فرنٹ کی کامیابی کے بعد واقع ہوئی تھی) لیکن مسلم لیگ کے کہنہ مشق لیڈر مثلاً خواجہ ناظم الدین اور میاں ممتاز محمد خان دولتانہ وغیرہ نے ایوب خان کا آلہ کار بننے سے انکار کر دیا جس پر ایوب خان نے اپنے حواریوں اور موقع پرست سیاسی چمچوں کو لے کر کنونشن مسلم لیگ قائم کر لی۔ ایوب خان کو مشرقی پاکستان میں ایسے لوگوں خصوصاً مسلم لیگی لیڈروں کی ضرورت تھی، جو ان کے آلہ کار کے طور پر کام کریں۔ چنانچہ ان کی نظر عبدالمنعم خان پر پڑی اور انہوں نے ان کا نام اپنی گڈ بک میں درج کر لیا۔ منعم خان بھی مردم شناس تھے چنانچہ انہوں نے بھی ایوب خان کی جانب تعاون کا ہاتھ بڑھایا اور وہ مشرقی پاکستان میں کنونشن مسلم لیگ کے بہت ہی اہم رکن اور آرگنائزر بن گئے اور وہ ایوب خان کی وزارت میں بحیثیت مرکزی وزیر صحت محنت اور سماجی بہبود مقرر کئے گئے۔ یہ وہ دور تھا جبکہ ایوب خان نے لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان کو مشرقی پاکستان کی گورنری سے ہٹا کر غلام فاروق کو گورنر مقرر کیا تھا کیونکہ جنرل اعظم خان کی بنگالی عوام میں بے انتہا مقبولیت سے ایوب خان بے حد خوف زدہ ہو گئے تھے اور انہیں اپنا کرسی اقتدار ڈگمگاتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ چنانچہ انہوں نے انتہائی عجلت میں غلام فاروق کو گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن بحیثیت گورنر وہ بری طرح ناکام ہو گئے تھے۔ چنانچہ ایوب خان نے ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں عبدالمنعم خان کو مشرقی پاکستان کا اٹھارواں گورنر مقرر کیا ۱۹۶۲ء سے قبل یعنی مرکزی وزیر ہونے سے پہلے منعم خان میمن سنگھ کے ایک انتہائی معمولی وکیل تھے۔ اور ان کی حیثیت ایک معمولی ضلعی لیڈر سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن اچانک گورنر بنا دیئے جانے کی وجہ سے وہ راتوں رات مشہور ہو گئے۔ ان کی اچانک تقدیر بدل گئی اور وہ ایوب خان کے بے حد معتقد ہو گئے کیونکہ ایوب خان ہی تھے جنہوں نے انہیں فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا تھا۔ چنانچہ وہ انتہائی معتمد اور وفادار خادم کی طرح اپنے آقا کی خدمات انجام دیتے رہے۔

اور ایوبی آمریت کے چنگل کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انھوں نے اخبارات اور ضمیر کی آزادی کا انتہائی بے دردی سے گلا گھونٹ دیا۔ "اتفاق" اور "سنگباد" حزب اختلاف کے دوسرے اخبارات و رسائل کو بند کر دیا اور اگر بند نہیں کیا تو ان پر اتنی زیادہ سختی کی کہ ان کے لئے حکمران وقت کے خلاف کچھ لکھنا ناممکن ہو گیا۔ پولیس اور آئی بی کے افسران اور کارندے دن رات سیاستدانوں، اخبار نویسوں، ادیبوں اور دانشوروں کے پیچھے گھومنے لگے۔ پریس آرڈیننس کے تحت حزب اختلاف کے لیڈروں کے بیانات کی اشاعت پر پابندی لگا دی گئی اور اخبارات کے سروں پر محکمہ اطلاعات کی تلوار دن رات گھومتی رہی۔ منعم خان کے دور میں مشرقی پاکستان سے نئے اخبارات و رسائل کی اشاعت کے لئے اجازت نامہ جاری کرنا قطعی بند کر دیا گیا۔ اس دور میں "اتفاق" اور "پاکستان آبزرور" ہی ایسے دو اخبارات تھے جو ڈائریکٹر آف انفارمیشن کی ساری پریس ایڈوائز اور وزارت اطلاعات کی تمامتر دھمکیوں کو نظرانداز کر کے حزب اختلاف کی خبریں شائع کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے کسی بھی لمحہ پاکستان آبزرور پر حکومت کا عتاب نازل ہونے کا اندیشہ تھا۔ لیکن "پاکستان آبزرور" کو حزب اختلاف کی تمام سیاسی جماعتوں اور حلقوں کی حمایت حاصل تھی۔ ایک بار منعم خان نے آبزرور کے خلاف تادیبی کارروائی کا منصوبہ بنایا تھا۔ لیکن عوامی تحریک اور احتجاج کے خوف سے منعم خان نے اس کے خلاف کارروائی نہیں کی البتہ انہوں نے بائیں بازو کی جماعت سے تعلق رکھنے والے تمام اہم لیڈروں اور ٹریڈ یونینٹوں کو آہنی سلاخوں کے پیچھے ٹھونس دیا تھا۔ منعم خان کے دور میں ڈھاکہ یونیورسٹی جیسے خالص تعلیمی ادارے میں سیاست داخل کی گئی تھی۔ اور طلبا کی بائیں بازو کی

تنظیم مشرقی پاکستان اسٹوڈنٹس یونین اور طلبا کی قوم پرست تنظیم مشرقی پاکستان اسٹوڈنٹس لیگ کو توڑنے اور اس کے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لئے حکومت کی سرپرستی میں غنڈہ صفت نوجوانوں پر مشتمل نام نہاد طلبا کی تنظیم "نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن" قائم کی گئی تھی۔ جس میں طلبا برائے نام تھے۔ اور زیادہ تر پیشہ ور غنڈے اکٹھے کئے گئے تھے۔ این۔ ایس۔ ایف کو گورنر منعم خان کی براہ راست سرپرستی حاصل تھی۔ اس ادارے کو سرکاری خزانے سے روپے ملتے تھے۔ چنانچہ پولیس اور آئی بی نے این۔ ایس۔ ایف کی تمام کرتوتوں اور جرائم کی جانب سے چشم پوشی کر رکھی تھی۔ غنڈہ صفت نوجوانوں کے اس ٹولے کی قیادت خود منعم خان کے بیٹے خسرو دکھو کھا کے ہاتھ میں تھی چنانچہ ڈھاکہ یونیورسٹی اور اس کے مختلف ہوسٹلوں میں اسٹوڈنٹس یونین اور اسٹوڈنٹس لیگ سے تعلق رکھنے والے طلبار اور عہدیداروں پر حملہ عام بات تھی۔ ایوب اور منعم خان کے زوال سے چند سال قبل صورت حال یہ تھی کہ این۔ ایس۔ ایف کے غنڈے یونیورسٹی کے احاطے کے اندر پستول اور ریوالور سے مسلح ہو کر جاتے اور مخالف طلبا کو بری طرح زدوکوب کرتے اور ضرورت پڑتی تو انہیں بلا کسی جھجک موت کے گھاٹ اتار دیتے چنانچہ این۔ ایس۔ ایف کی جانب سے ایک بار اقبال ہال میں طلبا سے جھگڑے کے بعد ایک طالب علم کو چوتھی منزل سے کھڑکی سے باہر پھینک دیا گیا۔ جس سے اس طالب علم کی فوراً موت واقع ہوئی اس دور میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے احاطے میں تشدد کی وارداتیں عام تھیں۔ لیکن اگر یہ وارداتیں صرف یونیورسٹی تک محدود رہتیں تو کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن حکومت کی سرپرستی اور پولیس کی چشم پوشی کی وجہ سے ان طلبا نما غنڈوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے تھے چنانچہ این ایس ایف سے تعلق رکھنے والے طلبار کی جانب سے کسی راہ چلتی لڑکی کو اپنی جیپ کار میں اٹھا لینا اور پھر داد عیش دینے کے بعد اسے تاریک اور سنسان سڑک پر چھوڑ جانا عام بات تھی۔ ایک بار منعم خان کے بیٹے کی قیادت میں نام نہاد طلبا کے اس گروہ نے ایک ایسی حرکت کی جس کا پاکستان آبزرور میں بھی تذکرہ آگیا۔ ہوا یوں کہ ڈھاکہ کے مشہور ارسٹوکریٹ محلہ کے ایک رہائشی ہوٹل میں رات کے وقت ایک نوبیاہتا جوڑا آکر ٹھہرا اس جوڑے کو دوسرے دن صبح کو باریسال جانا تھا اسی ہوٹل میں منعم خان کے صاحبزادے خسرو کی سرکردگی میں طلبار کا ایک گروہ آکر ٹھہرا اور رات بھر ہوٹل کے بار میں خم کے خم لنڈھاتا رہا۔ انہیں کسی طرح معلوم ہو گیا کہ اسی ہوٹل میں ایک نوبیاہتا جوڑا بھی مقیم ہے۔ چنانچہ طلبا نے خسرو کی قیادت میں اس کمرے میں حملہ کر دیا اور اس شادی شدہ شخص کو زدوکوب کر کے کمرے سے باہر نکال دیا اور اندر سے کمرہ بند کر لیا



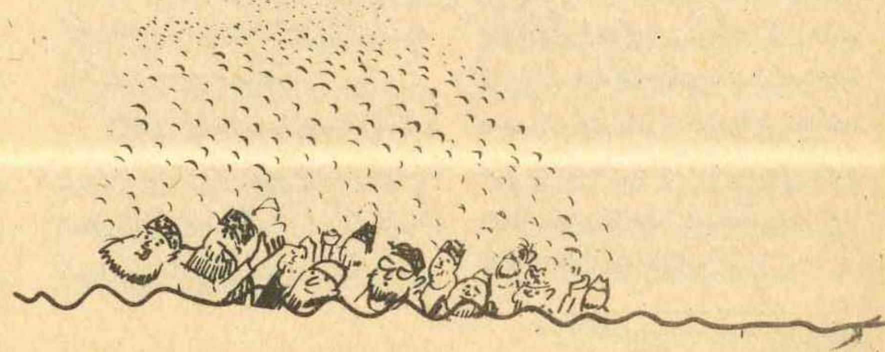
مقامی سیاسی رہنما، منعم خان کی لاش کے گرد کھڑے ہوئے ہیں

منعم خان کا بیٹا خسرو معصوم لڑکیوں کو ہوس کا نشانہ بنا لیتا تھا

وہ شخص روتا پیٹتا رہا پولیس اسٹیشن پہنچا اور اس نے ساری واردات سنائی۔ پولیس کا ایک دستہ انسپکٹر کی معیت میں فوراً جائے واردات پر پہنچا لیکن ہوٹل کے مینیجر سے جب معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ منعم خان کے صاحبزادے کی سرکردگی میں کیا گیا ہے تو پولیس نے کوئی کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا اور وہ اس مظلوم شخص کو صبر و تحمل کی تلقین کر کے واپس چلی گئی۔ پولیس انسپکٹر نے جاتے وقت اس شخص سے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اگر اپنی خیریت چاہتا ہے تو وہ صبح ہوتے ہی خاموشی سے اپنی نئی نویلی دلہن کو لے کر ہوٹل سے چلا جائے۔ ورنہ وہ خطرے میں گھر جائے گا۔ چنانچہ وہ مظلوم دوسرے دن صبح سویرے خاموشی سے اپنی بیوی کے ساتھ چلا گیا۔ لیکن اس واقعہ کی اطلاع کسی طرح "پاکستان آبزرور" کے رپورٹر کو مل گئی اور اس اخبار نے اس نازک دور میں بھی نرم لب و لہجے اور اشارے کنائے میں یہ خبر شائع کر دی۔ جسے بعد میں آج کے مشہور اسلام پسند صحافی الطاف حسین قریشی نے "اردو ڈائجسٹ" میں تفصیل سے شائع کی۔

دیکھتے ہی دیکھتے حالات نے تیزی سے اپنا رخ بدلا ایوب خان کے عروج کا سورج گہنا گیا اور سارے پاکستان میں ایوب خان کے خلاف تحریک شروع ہو گئی اور ایوب خان کے زوال کے ساتھ منعم خان کا زوال بھی لازمی ہو گیا۔ اس دور میں جو زبردست تحریک چلی اگر منعم خان گورنر ہاؤس کی بجائے کسی دوسری جگہ ہوتے تو ان کا زندہ بچ جانا مشکل ہو جاتا۔ مشتعل عوام نے صوبائی سکرٹریٹ پر حملہ کرنے کے علاوہ گورنر ہاؤس پر بھی حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ لیکن اس سے قبل ہی ایوب خان نے دوسرے مارشل لار کا اطلاق کر دیا۔ منعم خان گورنر ہاؤس سے نکلتے ہی مغربی پاکستان آگئے اور چند ماہ مغربی پاکستان میں رہ کر جب مشرقی پاکستان واپس گئے تو اس وقت تک عوام کا غم و غصہ بڑی حد تک سرد پڑ چکا تھا۔ لیکن عوام نے منعم خان اور ان کے صاحبزادے خسرو کو آسانی سے فراموش نہیں کیا تھا۔ چنانچہ ایک بار جب خسرو ٹرین پر ڈھاکہ سے چاٹگام جا رہا تھا تو طلبار کے ایک گروہ نے اسے پہچان کر استرے سے ایک کان کاٹ لیا تاکہ اسے عمر بھر اپنی کرتوت یاد رہے۔ کچھ اس قسم کا واقعہ منعم خان کے ساتھ ہوتے ہوتے بچا۔ ایک بار وہ اپنی کار پر ڈھاکہ کے صدر گھاٹ کی جانب گئے۔ عوام نے انہیں پہچان کر ان کی کار کو گھیر لیا۔ اور ہجوم میں سے کسی شخص نے منعم خان کے گال پر زناٹے دار طمانچہ رسید کر دیا۔ لوگ ان کے ساتھ مزید دست درازی کرنے کے موڈ میں تھے لیکن بعض شریف آدمیوں نے بیچ بچاؤ کر کے سابق گورنر مشرقی پاکستان کی عزت بچا دی اس واقعہ کے بعد منعم خان نے اپنے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا اور خود کو اپنے مکان میں مقید کر لیا۔





ایک سیاسی ٹانک

تحریر:- شاہد

عوامی عدالت میں

غلام اعظم کی پیشی اور احمد رضا قصوری کی گواہی

کردار

غلام اعظم ——— ملزم

جج ——— ایک محنت کش

وکیل عوام ——— ایک دانش ور

وکیل صفائی ——— ایک اسلام پسند

گواہ ——— احمد رضا قصوری

حاضرینِ عدالت ——— مزدور، کسان، طالب علم، دانشور اور چند اسلام پسند

جج : (سامنے میز پر رکھی ہوئی مسل کے ورق الٹتے ہوئے) اچھا تو اب مقدمے کی کارروائی شروع کی جائے۔

وکیل صفائی : آج عدالت میں ملزم کی جانب سے گواہ پیش کئے جائیں گے۔

جج : کیا آپ کے گواہ آگئے؟

وکیل صفائی : جناب والا، میں گزارش کر دوں گا۔

جج : دیکھئے اس طرح گزارش وزارش سے کام نہیں چلے گا۔ یہ بتائیے آپ کے گواہ آئے کہ نہیں؟

وکیل صفائی : حضور والا، گواہ بس آنے ہی ہوں گے۔

جج : روز آپ یہی کہتے ہیں۔ ملزم کا کوئی گواہ بھی ہے؟

وکیل صفائی : ہے تو مگر کوئی آتا نہیں۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔۔۔

وکیل عوام : میں عدالت سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج ملزم پر مجھے جرح کرنے کی اجازت دی جائے۔

وکیل صفائی : جنابِ والا : یہ انصاف کا خون ہوگا۔ تاریخ گواہ ہے۔

وکیل عوام : تاریخ کو گواہ نہ بنایا جائے تو مناسب ہے۔ سمن تو عدالت سے جاری ہو جائیں گے مگر اُن کی تعمیل نہ ہو سکے گی۔

وکیل صفائی : حضور والا، فاضل وکیل عوام نے تاریخ کے بارے میں جو طنز فرمایا ہے۔ اس پر احتجاج کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہوئے میں یہ عرض کروں گا کہ مجھے جرح کے بعد گواہ پیش کرنے کی اجازت دی جائے

وکیل عوام : مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میری خواہش ہے کہ ملزم کو صفائی کا پورا پورا موقع دیا جائے تاکہ انصاف کا خون خرابہ نہ ہو۔

جج : اچھا تو پھر جرح شروع کی جائے۔

وکیل عوام : (غلام اعظم سے) آپ کا نام؟

غلام اعظم : پروفیسر غلام اعظم

وکیل عوام : کیا آپ کسی کالج یا یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں؟

غلام اعظم : جی نہیں، پندرہ، سولہ سال قبل میں ڈھاکہ کے ایک کالج میں لکچرار تھا۔

وکیل عوام : کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی یہ ملازمت کیوں ختم ہوئی۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کو برطرف کیا گیا یا آپ خود مستعفی ہو گئے؟

غلام اعظم : نہ مجھے برطرف کیا گیا۔ نہ میں نے استعفیٰ دیا۔ ملازمت خود بخود ختم ہو گئی۔ یہ عارضی ملازمت تھی۔

وکیل عوام : اگر آپ کسی مدرسے، اسکول یا کالج میں نہیں پڑھاتے تو (مسکرا کر) آپ پروفیسر کس تقریب میں کہلاتے ہیں؟

غلام اعظم : کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے؟

وکیل عوام : ہرگز نہیں! مجھے تو ان نجومیوں، دست شناسوں، شعبدہ گروں اور مجمع گیروں پر بھی اعتراض نہیں جو باقاعدگی سے اپنے نام کے ساتھ پروفیسر لکھتے ہیں۔ لیکن آپ کو اعتراض نہ ہو تو کیا آپ میرے سوال کا جواب دینے کی زحمت گوارہ کریں گے؟

غلام اعظم : (ناراضگی سے) میں آپ کے اس سوال کا جواب دینا نہیں چاہتا۔

جج : بھئی اس میں ناراض ہونے کی کونسی بات ہے۔ جب تم کہیں پڑھاتے وڑھاتے نہیں تو خواہ مخواہ تم نے یہ پروفیسری کا دم چھلا کیوں لگا رکھا ہے—؟

غلام اعظم : (جھجکتے ہوئے) حضور والا، بات دراصل یہ ہے کہ امیرِ جماعتِ اسلامی، سید ابو الاعلیٰ مودودی ہمیشہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی تعلیم یافتہ لوگوں کی جماعت ہے۔ ہمارے امیر کا حکم ہے کہ ہم کسی نہ کسی طور پر اپنے تعلیم یافتہ ہونے کا اظہار ضرور کریں۔ (مسکرا کر) اس طرح عوام پر رعب بھی پڑتا ہے۔

جج : (وکیل عوام سے) آپ اس سوال پر کیوں اتنا زور دے رہے ہیں۔ کوئی خاص قانونی نکتہ ہے؟

وکیلِ عوام : میں عدالت کے نوٹس میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ جھوٹ کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟

(وکیلِ صفائی : (عدالت سے) حضورِ والا، میں وکیلِ عوام کے اس ریمارکس پر احتجاج کرتا ہوں۔

(حاضرین قہقہہ لگاتے ہیں)

جج : خاموش خاموش، جرح جاری رکھی جائے۔

وکیلِ عوام : (غلام اعظم صاحب! یہ بتائیے کہ آجکل آپ کہیں ملازم ہیں یا اپنا کوئی کاروبار کرتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟

غلام اعظم : میں جماعتِ اسلامی، مشرقی پاکستان کا صوبائی امیر ہوں۔

وکیلِ عوام : یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟

غلام اعظم : یہ قطعی ذاتی نوعیت کا سوال ہے۔ مجھے اس کا جواب دینے میں عذر ہے۔

جج : بھئی سیدھا سادھا سوال ہے۔ آخر تم اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کس طرح پالتے ہو۔ خالی سیاست بگھارنے سے تو گزارہ نہیں ہوتا۔

غلام اعظم : مجھے اپنی ضروریاتِ زندگی کے لئے جماعتِ اسلامی مشاہرہ دیتی ہے۔

وکیل صفائی : کیا یہ درست ہے کہ جماعت اسلامی میں مختلف عہدوں کے لئے مختلف گریڈ مقرر ہیں۔ عہدیداروں کو اُن کے عہدے کے مطابق گزیٹڈ افسروں کی طرح تنخواہ اور الاؤنس دیئے جاتے ہیں؟

غلام اعظم : مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں؟

وکیلِ عوام : لیکن آپ کو یہ تو علم ہوگا کہ آپ چونکہ صوبائی امیر ہیں لہٰذا آپ کا عہدہ فرسٹ کلاس گزیٹڈ افسر کا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو ہر ماہ کیا تنخواہ ملتی ہے اور الاؤنس کتنا ملتا ہے؟

غلام اعظم : میں آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔

وکیلِ عوام : (مسکرا کر) اگر میں یہ کہوں کہ آپ کو ہزار روپے تنخواہ اور مہنگائی الاؤنس، سواری الاؤنس، مکان الاؤنس اور ایسے ہی دوسرے الاؤنس ملا کر ستر سو روپے ہر مہینے جماعت کی طرف سے ملتے ہیں۔ تو کیا یہ درست ہے؟

غلام اعظم میں اس سلسلے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔
وکیلِ عوام مگر آپ کو یہ بتانے میں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے کہ آپ کی طرح جماعت کے دوسرے عہدیداروں کو بھی تنخواہ ملتی ہے۔
غلام اعظم : جی ہاں، کل وقتی ارکانِ جماعت کو تنخواہ ملتی ہے۔ ہر عہدیدار کی تنخواہ اس کے عہدے کے مطابق مقرر ہے۔ جب لوگ تمام وقت جماعت کے لیئے کام کریں گے تو اپنا اور اپنے بچّوں کا پیٹ کیسے پالیں گے۔
وکیلِ عوام : درست فرمایا آپ نے۔ لیکن یہ تنخواہیں جماعت کس طرح دیتی ہے میرا مطلب یہ ہے کہ یہ رقم کہاں سے مہیا کی جاتی ہے؟
غلام اعظم : جماعت کا اپنا فنڈ ہے۔
وکیلِ عوام : کیا آپ بتا سکتے ہیں، یہ فنڈ کن ذرائع سے اکٹھا ہوتا ہے؟
غلام اعظم : قربانی کی کھالوں سے
وکیل عوام : کیا قربانی کی کھالوں سے ہر سال کروڑوں روپیہ اکٹھا ہو جاتا ہے؟
غلام اعظم : جی نہیں! قربانی کی کھالوں کے علاوہ عوام بھی جماعت کے لیے چندہ دیتے ہیں۔
حاضرین : (اونچی آواز سے) جھوٹ، بالکل جھوٹ، ہم نے کوئی چندہ نہیں دیا۔
جج : ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، لیکن آپ لوگ فی الحال خاموش رہیں۔
وکیل عوام : عوام سے آپ کی مراد جمعیت سوداگران دہلی سے ہے؟
غلام اعظم : جی نہیں۔ دوسرے طبقے بھی اِن میں شامل ہیں۔
وکیل عوام : مثلاً سرمایہ دار، جاگیردار؟
غلام اعظم : کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے؟
وکیل عوام : ہرگز نہیں۔ دیکھیے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا رشتہ اس ملک کے عوام سے زیادہ بیرونی ممالک کے سرمایہ داروں سے بڑا گہرا ہے۔ کیا اس رشتے سے آپ کو بیرونی ممالک سے بھی اپنے فنڈ کے لئے رقم ملتی ہے؟
غلام اعظم : مجھے صحیح طور پر اس کا کوئی علم نہیں۔
وکیل عوام دیکھیے جدّہ میں ایک بین الاقوامی قسم کی تنظیم ہے۔ اُسے رابطہ عالمِ اسلامی کہتے ہیں کیا آپ اس کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔
غلام اعظم : جی ہاں!
وکیل عوام : تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اس کے لئے کروڑوں ڈالر کا فنڈ امریکی تیل کمپنی آرامکو کے توسط سے فراہم کیا جاتا ہے۔
غلام اعظم : مجھے نہیں معلوم۔
وکیل عوام لیکن یہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے اجلاسوں میں مودودی صاحب پابندی سے شریک ہوتے ہیں۔
غلام اعظم : جی ہاں
وکیل عوام : تو پھر آپ کو یہ بھی علم ہوگا کہ اسی رابطۂ عالم اسلامی کی ایک شاخ لندن میں بھی ہے۔ اسے اسلامک مشن کہتے ہیں۔
غلام اعظم : جی ہاں! اس کے صدر آجکل مولانا حبیب الرحمٰن ہیں۔
وکیل عوام : کیا یہ وہی اسلامک مشن نہیں ہے جو لندن میں مودودی صاحب کے علاج معالجے کے علاوہ دوسرے تمام اخراجات بھی برداشت کرتا ہے۔
کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس مشن کے ذریعے جماعتِ اسلامی کو سالانہ کتنی امداد ملتی ہے؟
غلام اعظم : اس کا مناسب جواب سیّد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی دے سکتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔
وکیلِ عوام : لیکن آپ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ "یومِ شوکتِ اسلام" اور انتخابات کے لئے جماعت نے آپ کو کتنی رقم دی؟
غلام اعظم ٹھیک سے نہیں بتا سکتا۔
وکیل عوام : کچھ اندازہ تو ہوگا آپ کو؟ بس اندازاً بتائیے۔
غلام اعظم (ناراضگی سے) جناب کروڑوں کا حساب ہے۔ زبانی کیسے بتا سکتا ہوں
وکیل صفائی : میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ فاضل وکیل عوام کو غیر متعلقہ سوالات کرنے سے باز رکھا جائے۔

(حاضرین زور سے قہقہہ لگاتے ہیں)

وکیل عوام : (مسکرا کر) اگر وکیل صفائی ایسے سوالات کو غیر متعلقہ سمجھتے ہیں تو میں صرف متعلقہ سوالات پوچھوں گا۔ (غلام اعظم سے) کیا یہ درست ہے کہ آپ نے بنگلہ زبان کی تحریک میں بھی حصّہ لیا تھا؟
غلام اعظم مجھے یاد نہیں
وکیل عوام (اخبارات دکھا کر) یہ مشترکہ بیان جو شیخ مجیب الرحمٰن اور دوسرے لوگوں کے دستخطوں سے جاری کیا گیا تھا اس میں آپ کا نام بھی موجود ہے۔ کیا......؟
غلام اعظم : (بات کاٹ کر) مگر اب میں اس کا مخالف ہوں۔ وہ تحریک غلط تھی۔ میں اس میں غلطی سے شریک ہو گیا تھا۔
وکیل عوام ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ نے بھی حصّہ لیا تھا۔ کیا یہ درست ہے کہ نہ صرف آپ کو شکست ہوئی بلکہ ضمانت بھی ضبط ہو گئی؟
غلام اعظم : جی نہیں۔ یہ خبر اخبارات نے غلط چھاپ دی تھی۔ میری ضمانت ۲۱ ووٹوں سے بچ گئی تھی۔
وکیل عوام (اخبارات دکھاتے ہوئے) لیکن یہ خبر تو درست ہے جس میں بتایا گیا ہے (خبر پڑھتا ہے) "میرپور، ڈھاکہ، کے پولنگ اسٹیشن سے عوامی لیگ کے ظہیرالدین کو گیارہ سو ووٹ ملے اور جماعت اسلامی کے لیڈر غلام اعظم کو صرف ایک ووٹ ملا اور یہ ووٹ بھی ان کا اپنا تھا"
غلام اعظم : میں اس خبر پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔
وکیل عوام : کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ عام انتخابات میں مشرقی پاکستان سے جماعت اسلامی کو کتنی نشستیں ملیں؟
غلام اعظم :۔ مرکز میں ہمیں کوئی بھی نشست نہ ملی۔ البتہ صوبائی اسمبلی کی ایک نشست ملی تھی :۔
وکیل صفائی :۔ کیا یہ درست ہے کہ اگر جماعت اسلامی کو انتخابات میں کامیابی ہو جاتی تو آپ کو پچیس ہزار اور عام کارکنوں کو پانچ، پانچ ہزار روپے بونس ملتا۔
غلام اعظم :۔ مجھے یاد نہیں۔
وکیل صفائی :۔ آپ کو یہ تو یاد ہوگا کہ انتخابات میں شکست کے بعد آپ کی تنخواہ کا گریڈ کم کر دیا گیا تھا۔ اور الاونس بھی بند کر دیئے گئے تھے؟

غلام اعظم :- میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔

وکیل عوام :- کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ انتخابات میں جماعت اسلامی کو اتنی عبرت ناک شکست کیوں ہوئی؟

غلام اعظم :- (غصے سے) انتخابات میں دھاندلی ہوئی، دھونس اور غنڈہ گردی سے کام لیا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جماعت کو بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل ہوتی۔

وکیل عوام :- کیا آپ جانتے ہیں کہ لاہور سے شائع ہونے والا اخبار "ایشیا" جماعت اسلامی کا سرکاری ترجمان ہے؟

غلام اعظم :- جی ہاں!

وکیل عوام :- (اخبار دکھاتے ہوئے) دیکھئے یہ "ایشیا" کا ۱۰ جنوری ۱۹۷۱ء کا پرچہ ہے۔ اس کے اداریئے میں لکھا ہے (پڑھتا ہے) ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ ہماری تاریخ، ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کے بعد ایک نئے دور میں داخل ہوئی ہے۔ اس دور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عوام کی رضا سے آیا ہے۔ کسی خارجی دباؤ سازش یا خفیہ چال سے نہیں آیا۔ ہماری تاریخ میں اس سے پہلے جتنے بھی دور گذرے ہیں۔ ان میں ہمیشہ کسی فرد یا طبقے کا خفیہ ہاتھ کارفرما دکھائی دیا ہے۔ لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ عوام سے اپنی رائے بے جھجک ظاہر کرنے کے لئے کہا گیا۔ اور انہوں نے اپنے دل کی بات کہہ دی"۔۔۔ آپ نے ایشیا کا یہ اداریہ سنا۔ اب بتایئے کس کے بیان کو درست قرار دیا جائے۔ آپ کے بیان کو یا آپ کی جماعت کو؟

غلام اعظم :- (پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے) میں فی الحال اس سلسلے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ جماعت اسلامی نے انتخابات میں نہ کسی قسم کا لالچ دیا۔ اور نہ لوگوں کے مذہبی جذبات بھڑکانے کی کوشش کی۔

وکیل عوام :- (اخبار دکھاتے ہوئے) غلام اعظم صاحب! دیکھئے یہ "ایشیا" کا ۶ دسمبر ۱۹۷۰ء کا شمارہ ہے۔ اس کے سرورق کی پیشانی پر نمایاں طور پر لکھا ہے "موجودہ انتخابات معرکۂ کفر و اسلام ہیں"۔ آپ اسے مذہبی جذبات بھڑکانے کے علاوہ اور کیا کہیں گے؟

غلام اعظم :- (خاموش)........

وکیل عوام :- اگر انتخابات کفر و اسلام کی جنگ تھی تو کیا آپ کے خیال میں جماعت کی شکست (نعوذ باللہ) اسلام کی شکست تھی۔ کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان میں کفر کو فتح ہوئی۔؟

غلام اعظم :- دیکھئے میں اُردو کم جانتا ہوں۔ مجھے پتہ نہیں۔ کہ جماعت کے اُردو اخبارات کیا انٹ شنٹ لکھتے رہتے ہیں۔

وکیل عوام :- (اخبار دکھاتے ہوئے) اس اخبار کو آپ جانتے ہیں۔

غلام اعظم :- جی ہاں! یہ روزنامہ "سنگرام" ہے۔

وکیل عوام :- کیا ڈھاکہ سے چھپنے والا یہ بنگلہ اخبار جماعت اسلامی کا سرکاری ترجمان ہے؟

غلام اعظم :- جی ہاں!

وکیل عوام :- (اخبارات دکھاتے ہوئے) دیکھئے غلام اعظم صاحب "یہ سنگرام" کے نومبر اور دسمبر ۱۹۷۰ء کے پرچے ہیں۔ اس میں آپ کے اور جماعت اسلامی کے دوسرے رہنماؤں کے ایسے بیانات اور تقریریں موجود ہیں جس میں کالعدم عوامی لیگ کو پاکستان دشمن اور اسلام دشمن قرار دیا گیا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

غلام اعظم :- جی ہاں بالکل درست ہے۔

وکیل عوام :- کیا یہ بھی درست ہے کہ انتخاب میں ناکامی کے بعد آپ کا بیشتر وقت دھان منڈی میں شیخ مجیب الرحمٰن کے گھر کے طواف لگانے میں گزرتا تھا؟

غلام اعظم :- میں وہاں کبھی کبھی جاتا تھا۔ اس لئے کہ ہمیں یہ خطرہ پیدا ہوگیا کہ عوامی لیگ برسر اقتدار آگئی تو جماعت اسلامی سے انتقام لے گی۔

وکیل عوام :- کیا یہ کالعدم عوامی لیگ کا خوف تھا یا آپ نے اپنے کارکنوں کو ہدایت جاری کی تھی۔ کہ وہ غیر بنگالیوں کے قتل عام میں حصہ لیں؟

غلام اعظم :- جہاں تک مجھے یاد ہے جماعت کی جانب سے ایسی کوئی ہدایت جاری نہیں کی گئی۔ اگر کسی نے اپنے طور پر قتل و غارت گری کی ہے تو اس کی ذمہ داری جماعت پر عائد نہیں ہوتی۔

وکیل عوام :- اگر کالعدم عوامی لیگ کو اقتدار مل جاتا تو آپ کے خیال میں اس کے کیا نتائج ہوتے؟

غلام اعظم :- پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ تباہ ہو جاتا۔

وکیل عوام :- (اخبار دکھاتے ہوئے) دیکھئے یہ ۱۳ مارچ ۱۹۷۱ء کا "سنگرام" ہے۔ اس میں اس میں آپ کا یہ بیان شائع ہوا ہے (پڑھتا ہے) مشرقی پاکستان جماعت اسلامی کے امیر پروفیسر غلام اعظم نے شیخ مجیب الرحمٰن کے چاروں مطالبات کی حمایت کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ اقتدار فوراً عوامی لیگ کے نمائندوں کو سونپ دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ سیاسی بحران کو حل کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے۔ اگر اقتدار منتقل کرنے میں تاخیر کی گئی تو بحران اور سنگین ہو جائے گا۔ یہ بیان آپ ہی کا ہے نا؟

غلام اعظم :- جی ہاں:- میرا خیال ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے حق میں نہ تھے۔ میں نے حال ہی میں اس سلسلے میں ایک بیان بھی دیا ہے۔

وکیل عوام :- لیکن قائم مقام امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے تھے۔ آپ دونوں میں سے کس کا بیان درست ہے؟

غلام اعظم :- مجھے میاں طفیل محمد کے بیان سے اختلاف ہے۔ انہیں مشرقی پاکستان کے حالات کا صحیح علم نہیں:-

وکیل عوام :- (اخبار دکھاتے ہوئے) دیکھئے یہ ۱۲ مارچ ہی کا "سنگرام" ہے۔ اس میں شیخ مجیب الرحمٰن کا یہ بیان بھی ہے (پڑھتا ہے) شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا ہے کہ بنگلہ دیش میں آزادی کے جذبے کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہم میں سے ہر ایک ضرورت پڑنے پر جان دینے کے لئے تیار ہے تاکہ ہماری آئندہ نسلیں ایک آزاد ملک کے آزاد شہری کی طرح آزادی اور وقار کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔۔۔ "آزاد ملک کے آزاد شہری" سے آپ کیا مطلب سمجھتے ہیں۔

غلام اعظم :- میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔

وکیل عوام :- کیا یہ درست ہے کہ مغربی پاکستان کے لئے جماعت اسلامی کی پالیسی کچھ اور ہے اور مشرقی پاکستان کے لئے کچھ اور؟

غلام اعظم :- کسی قدر اختلاف ضرور ہے۔

وکیل عوام :- کیا یہ اختلاف جان بوجھ کر پیدا کیا گیا ہے تاکہ ضمنی انتخابات میں آپ کالعدم عوامی لیگ کی حمایت کر سکیں۔؟

غلام اعظم :۔ شاید!

(حاضرین زور سے قہقہہ لگاتے ہیں)

جج :۔ خاموش رہیئے!

وکیل عوام :۔ آپ جماعت اسلامی کو محب وطن اور سوشلسٹوں کو ملک دشمن قرار دیتے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ جماعت اسلامی نے کبھی قیام پاکستان کی حمایت کی تھی۔؟

غلام اعظم :۔ شریف الدین پیرزادہ صاحب نے اپنی کتاب "پاکستان منزل بہ منزل" میں لکھا ہے کہ امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی نے پاکستان کی حمایت کی تھی۔

وکیل عوام :۔ آپ کے خیال میں پیرزادہ صاحب کا بیان مستند ہے یا مودودی صاحب کا؟

غلام اعظم :۔ یقیناً مودودی صاحب کا بیان مستند ہے۔

وکیل عوام :۔ تو آپ کی اطلاع کے لیئے عرض ہے کہ مودودی صاحب نے کبھی پاکستان کی حمایت نہیں کی۔ (کتابیں اور رسالے دکھاتے ہوئے) دیکھئے یہ مودودی صاحب کی تصنیف "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوم ہے۔ یہ "مسائل و رسائل" ہے۔ یہ "ترجمان القرآن" ہے۔ ان میں مودودی صاحب نے پاکستان کی کھلم کھلا مخالفت کی ہے۔ پاکستان کو "کفرستان" بتایا ہے۔ کیا ان حقائق کے باوجود آپ جماعت اسلامی کو محب وطن قرار دے سکتے ہیں۔

وکیل صفائی :۔ میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ چونکہ اس سوال کا براہ راست تعلق مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے ہے۔ لہٰذا یہ سوال ان پر جرح کرتے ہوئے اٹھایا جائے۔

جج :۔ ٹھیک ہے۔ یہ سوال مودودی ہی سے پوچھا جائے۔

وکیل صفائی :۔ نظریہ پاکستان سے آپ کی کیا مراد ہے۔؟

غلام اعظم :۔ امیر جماعت اسلامی سید مولانا ابوالاعلیٰ مودودی....

جج :۔ کیا ہر بار اتنا لمبا نام لینا ضروری ہے۔

ایک آواز (حاضرین میں سے) تنخواہ کٹ جائے گی۔ دوسری آواز :۔ بھتہ اور الاؤنس بھی جاتا رہے گا۔

جج :۔ خاموش۔ خاموش۔ بیان جاری رہے۔

غلام اعظم :۔ مولانا مودودی اپنی تصانیف میں نظریۂ پاکستان کی بار بار وضاحت کر چکے ہیں۔

وکیل عوام :۔ لیکن انہوں نے تو قرار داد پاکستان کو گمراہ کن قرار دیا تھا۔ قائد اعظم کو کافر اعظم بتایا تھا۔ جماعت اسلامی کا نظریہ پاکستان کون سا ہے؟

غلام اعظم :۔ (گھبرا کر) دے دے دیکھیئے میرا مطلب یہ ہے کہ نظریۂ پاکستان کی بنیاد اسلام ہے۔

وکیل عوام :۔ آپ کی مراد مودودی صاحب کے اسلام سے ہے جنہیں علمائے کرام گمراہ، بے دین اور اسلام سے خارج قرار دے چکے ہیں۔ کیا میں ان کے فتوے پیش کروں۔

جج :۔ انہیں مودودی پر جرح کرتے وقت پیش کیا جا سکتا ہے۔

وکیل عوام :۔ مجھے اب ملزم سے مزید سوالات کرنے کی ضرورت نہیں۔ ملزم نے جرح کے دوران کافی ثبوت مہیا کر دیئے ہیں۔

سوٹ بوٹ میں ملبوس ایک نوجوان عدالت میں گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے۔

جج :۔ تم کون ہو؟

نوجوان :۔ جناب والا میرا نام احمق رضا۔ معاف کیجئے۔ احمد رضا قصوری ہے۔ میں گواہی دینے آیا ہوں۔

جج :۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی۔ یہ کسی فلم کی عدالت نہیں۔ عوامی عدالت ہے۔

وکیل صفائی :۔ میں عدالت سے استدعا کروں گا کہ گواہ کو اپنی شہادت قلم بند کرانے کا موقع دیا جائے۔

جناب والا یہ ہمارا واحد گواہ ہے۔ لہٰذا مجھے امید ہے کہ اسے اجازت دیجائیگی

وکیل عوام :۔ جناب والا مجھے صرف اتنا اعتراض ہے کہ گواہ نابالغ ہے۔ لہٰذا اس کی گواہی نہیں ہونی چاہیئے۔

احمد رضا :۔ جناب والا۔ میں بالکل بالغ ہوں۔ جی میں ۱۲ ارجون انیس سو، سن ٹھیک سے یاد نہیں جی۔ مگر میں ۳۲ سال کا ضرور ہوں۔ میں ثبوت میں میٹرک کا سرٹیفکیٹ پیش کر سکتا ہوں۔ ویسے میں وکالت کا امتحان بھی پاس کر چکا ہوں۔ میں نے جب ایل ایل بی کلیئر کیا ڈھیر ساری مٹھائی بانٹی گئی تھی۔

وکیل عوام :۔ مجھے گواہ کی طبعی عمر پر اعتراض نہیں مگر ذہنی طور پر وہ ہنوز نابالغ ہے۔

احمد رضا :۔ جناب والا یہ بالکل غلط ہے۔ میں ایم این اے منتخب ہو چکا ہوں، بڑے زوروں کا الیکشن ہوا تھا۔ وہ تو جی اسمبلی کا سیشن ہی نہیں ہوا۔ میں نے تو اس کے لئے پہلے ہی سے تقریر رٹ لی تھی۔ کہئے تو سنا دوں۔ تین تین گھنٹے آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر ریہرسل کی ہے۔ تو جی میں شروع ہو جاؤں؟

جج :۔ نہیں، نہیں۔ تم صرف گواہی دو گے۔

احمد رضا :۔ جناب والا! میں پریس کانفرنسیں بھی کرتا ہوں، بیان بھی جاری کرتا ہوں۔ اخبارات میں آج کل اپنا زبردست پروجیکشن ہو رہا ہے۔ ایک عدد میری اپنی پیپلز پارٹی بھی ہے۔ میں اس کا چیئرمین ہوں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں جی۔ نوید ملک اور ایم ایم پیرزادہ سے پوچھ لیجئے (مڑ کر دروازے کی جانب دیکھتا ہے) معاف کیجئے جناب والا، دونوں کسی رپورٹر کو چائے پلانے گئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں جی پبلسٹی بڑی چیز ہے۔

وکیل عوام :۔ اگر گواہ کو بالغ بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تب بھی مجھے اعتراض ہے۔ گواہ کے بارے میں یہ شبہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ ذہنی مریض ہے۔

وکیل صفائی :۔ میں گواہ کے بارے میں اس ریمارک پر احتجاج کرتا ہوں۔

جج :۔ گواہی پیش کی جائے۔

احمد رضا :۔ میں عدالت عالیہ پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ میں حال ہی میں مشرقی پاکستان کا دورہ کر کے آیا ہوں۔ لیکن حضور والا وکیل عوام کو ہرگز یہ سوال کرنے کی اجازت نہ دی جائے کہ میرے دورۂ مشرقی پاکستان کے اخراجات کس طرح ادا کئے گئے اور کس نے ادا کئے۔

وکیل عوام :۔ میں گواہ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نہ صرف دورۂ مشرقی پاکستان بلکہ ان کے بارے میں کوئی سوال نہیں کروں گا۔

احمد رضا :۔ (وکیل عوام سے) بہت بہت شکریہ۔ بات یہ ہے جی۔ وہ کیا شعر ہے "پردہ نشینوں کے نام" کے بارے میں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔ اپنے کو شعر بالکل یاد نہیں رہتے۔ یوں بھی جی یہ شاعری واعری بالکل فراڈ چیز ہوتی ہے۔

وکیل عوام :۔ میں عدالت سے درخواست کروں گا۔ کہ گواہ شاعری کے بارے میں اظہار خیال

باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں

نائلن کے ٹکڑے

بازگشت

سلیم بانڈے

وہ ۱۳۰ وچت پور کی چھت پر لیٹا ہوا تھا۔

سورج بچارسے چونکتے ہی وہ طنزاً مسکرایا اور سر جھکا کر اپنے بوسیدہ کوٹ کے بائیں کالر کو چوسنے لگا۔ آنسو ڈھلک کر اس کے ہاتھوں آگرے جذبات کی اندرونی کوفت بڑھتی جارہی تھی۔جس کی وجہ سے وہ تنہائی میں بیٹھا چپکے چپکے رو رہا تھا۔تمام جسم میں نقاہت کے علاوہ اس کے پیٹ میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔کبھی کبھی پیٹ میں عجب طرح کی گرم گرم لہریں بلند ہوتی تھیں۔جن کے عمل میں آتے ہی وہ تڑپنا شروع کر دیتا۔یہ گرم لہریں پیٹ میں آگ لگاتیں۔انتڑیوں میں پھیل جاتیں تو انتڑیوں میں مرچیں سی لگ جاتیں

اس کا اثر یہ تھا کہ اس کی زبان بار بار خشک ہورہی تھی۔اس خشکی کو دور کرنے کے لئے پانی، لازمی تھا۔مگر دو روز کے نیم فاقے کے بعد اسے یہ تجربہ ہوا تھا کہ پانی پینا خطرناک تھا۔اس کا حلق خشک سا ہوگیا تھا۔اور سر بھاری ہوتا جارہا تھا اس کی آنکھیں نیند کے بوجھ تلے بند ہوتی جارہی تھیں۔تمام جسم میں ایک کاہلی تھی۔جو آزادانہ گھوم گھوم کر اسے مایوسیوں اور غموں کے طوفانوں میں کھینچے لئے جارہی تھی۔

ایسے غم، ایسے خیال، اور ایسے دکھ جن میں ڈوب کر وہ دھیرے دھیرے اپنے آپ کو بھول رہا تھا، نیند اور کاہلی آپس میں سازش کر رہے تھے۔اور وہ ان کی پرمعنی گفتگو سن کر سوچتا کہ شاید یہ سب کچھ خواب ہے۔

بھوک اور نیند محض خواب ہے مگر یہ سب کچھ حقیقت تھی۔ایک عجب طرح کی گفتگو اس کے ذہن میں شور مچارہی تھی۔ایسی گفتگو جس کے چند الفاظ کبھی کبھار سمجھ میں آجاتے اور کبھی تمام گفتگو بیکار جاتی اس کا دماغ بڑے زور سے گفتگو کر رہا تھا۔خود بخود فقرے بن رہے تھے اور اسی کی مخصوص آواز میں ادا ہو رہے تھے۔سنتے ہی وہ گھبرا کر آنکھیں کھولتا۔اپنی حالت بالکل اس حالت جیسی پاتا جو ملیریا کی ترقی یافتہ حالت میں اس پر ہوتی تھی،

ایسی حالت میں جب الفاظ سطح دماغ سے رینگتے ہوئے اٹھ بیٹھتے اور والہانہ رقص شروع کر دیتے۔طرح طرح کے واقعات ادھر ادھر بھاگنے لگتے دوستوں کے چہرے۔چند مزاحیہ فقرے اس کی ماں کی آوازیں۔دھیمی دھیمی اذانیں قبرستان کی سی سنسناہٹ سنائی دیتی اور وہ ذہنی ہچکولوں میں تنکے کی طرح ابھرتا اور کھو جاتا۔

دوپہر ڈھل رہی تھی گرمی اس کے ہر عضو میں گھس کر غلاظت اور کاہلی کا احساس دلا رہی تھی۔مگر وہ.... غلاظت سے بے پرواہ اینٹوں کے فرش پر لیٹا ہوا تھا۔

فرش پر برسوں سے صفائی نہ ہونے کی وجہ سے دور دور تک ایک کالی تہہ جمی ہوئی تھی اردگرد عجب اودھم چوکڑی مچی ہوئی تھی، ٹوٹی لوٹی کرسیاں، شکستہ گھسے ہوئے بوٹ، پرانے وقتوں کے لمپوں کے پیندے چمڑے سے کاغذ میلی بدبودار جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی بنیانوں کی دھجیاں، کبوتروں اور کوؤں کے پر۔اس نے آنکھیں کھولیں اور مغرب کی جانب دیکھنے لگا۔

سورج ڈوب رہا تھا۔

کلکتہ کی فضا میں ہر طرف سفید سفید غبارے لہرا رہے تھے۔سورج کی ترچھی کرنوں میں ہاوڑا کا پل چمک رہا تھا۔

یہی وہ عالیشان پل تھا جس پر بیک وقت ٹرامیں، موٹریں، رکشے اور ہزاروں انسان گذر رہے تھے۔

آسمان میں سفید بادلوں کے ٹکڑے خرگوش کے بچوں کی طرح سہمے سکڑے دھیمے دھیمے رینگ رہے تھے۔بائیں طرف پھیکا چاند آسمان کی نیلگوں سطح میں الٹا اٹکا ہوا تھا۔جس کے نیچے بے شمار چیلیں اڑ رہی تھیں اور چھت پر اس کے اردگرد کبوتر اور کوے میلے چیتھڑوں کو اپنی چونچوں سے گھسیٹ رہے تھے اس کی نگاہیں اوپر اوپر گھوم کر بار بار فضا میں لہراتے ہوئے غباروں پر آجمتی تھیں۔

غباروں کی سفیدی اور پیٹ کا تناؤ دیکھ کر اس کے ہونٹ ایک بے معنی خواہش کے زیراثر کپکپا رہے تھے

اس کے ہونٹ ایک عجیب حرکت کرنا چاہتے تھے۔ایک ناممکن سی حرکت خواب آلود تصورات کی اکسائی ہوئی حرکت۔ایک طفلانہ حرکت ایک کھیل محض تسکین تشکم کے لئے۔

وہ چاہتا تھا کہ دانتوں سے غبارے کے پھولے پیٹ کو کاٹ ڈالے اور آہستہ آہستہ غبارے کی ہوا کو پانی سمجھ کر پی جائے۔اور سفید ریشمی کپڑے کو برفی کی تہہ سمجھ کر مزے سے چوسے دانتوں تلے دبائے، چبائے۔اتنا کہ برفی گیہوں کا دلیہ بن کر اس کی زبان کی کھردری سطح پر اچھلتا کودتا پھرے۔اور اس

نیم فاقے کے بعد اُسے تجربہ ہُوا تھا کہ پانی پینا خطرناک ہے

اچھل کود کر کر اُچھل بلیٹ کر اس کی انتڑیوں میں جا داخل ہو جہاں سے گرم گرم پانی کی لہریں اٹھ کر اس کے حلق کو زخمی کر رہی تھیں اور پھر کیا معلوم کہ بھوک غائب ہو جائے اور اس کے جسم میں توانائی آجائے اور وہ پھر سے آنکھیں کھول دے

واقعی اس نے آنکھیں کھولیں وہ سوچتے ہوئے دیر تک اونگھتا رہا تھا۔

بائیں طرف پیانو کے نغمات بلند ہو رہے تھے۔ بائیں طرف کے مکان میں بہت سی کھڑکیاں تھیں جن میں طرح طرح کے ریشمی پیلے سبز اور سرخ رنگ کے پردے لہرا رہے تھے نیلے پردے والی کھڑکی کھلی تھی، پردہ ہٹا ہوا تھا۔ میاں بیوی لچک لچک کر موسیقی کی جنبشوں پر باہوں میں باہیں ڈالے، کمرے میں کرسیوں اور میزوں کی درمیانی بچی کھچی جگہوں میں یہ وقت گذرتے ہوئے رقص کرتے، کبھی کبھی نظر آرہے تھے

معاً نیچے سڑک پہ زور سے ٹرام رکی انتہائی شور و غل بلند ہوا لوگ بھاگ بھاگ کر نیچے جانے لگے سیڑھیاں ان کے اترنے کی آواز سے بول اٹھیں یوں معلوم ہوا جیسے لوگ کسی عمارت کو آگ لگانے کے لئے بھاگ رہے ہیں یا کہیں ہندو مسلم فساد ہوا چاہتا ہے۔

وہ گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھا اور منڈیر پر جھک کر نیچے دیکھنے لگا۔ بازار میں ایک ٹرام کھڑی تھی جس کے ارد گرد بہت سے لوگ جمع تھے دھینگا مستی ہو رہی تھی، بھکاری چلا چلا کر ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ کہہ رہے تھے۔ عورتیں رو رہی تھیں بھکاریوں کا ہجوم کبھی ٹرام کے بائیں طرف آکھڑا ہوتا اور کبھی دائیں طرف اس نے بہت کوشش سے معاملہ سمجھنے کی کوشش کی مگر بے سود سب چلا رہے تھے۔

وہ منڈیر سے ہٹ کر آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتا ہوا بازار میں داخل ہوا۔

ٹرام کے قریب پہنچ کر اس نے دیکھا چھوٹے چھوٹے بچے ٹرام کے نیچے جھکے کچھ دیکھ رہے تھے۔

اس نے دیکھا ٹرام کے نیچے ایک بچے کا خون سے رنگا ہوا دھڑ تڑپ رہا تھا۔ ٹرام سے قدرے دور ایک بجلی کے کھمبے تلے ایک آدمی کو اس نے کشمیری شال میں ملبوس ناک پر رومال جمائے کلپتے ہوئے دیکھا۔

اس نے بڑھ کر اس شخص سے پوچھا "کیوں دادا یہ کیا قصہ ہے" "قصہ کیا ہے بس بیماری ہے بیماری۔ اب کلکتہ بچ نہیں سکتا جدھر دیکھو ایسے ہزاروں بھکاری جمع ہیں بہو بازار میں سینکڑوں فٹ پاتھ پر پڑے ہیں۔ چاندنا بازار کے گھروں میں یہ حرام جادے گھس گئے ہیں۔ ہیری سن روڈ ہاوڑا پل پر کتنے ہی مر گئے بو سے دماغ پھٹا جاتا ہے "بے چارہ ٹرام تلے آکر کٹ گیا"

اس نے بدستور ٹرام کے نیچے مردہ لڑکے کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ منٹو آپ کا بچہ ہے جو آپ اتنا خیال کرتے ہیں ان عورتوں سے پوچھئے پہلے پیدا کیوں کرتی ہیں پھر بھیج دیتی ہیں، مانگنے صاحب سے بخشش"۔

"ہوں" صاحب نے ناک رومال میں دبا اور شال سنبھال تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیئے "بخشش بخشش" وہ بڑبڑاتا ہو ٹرام کے اور قریب پہنچا اس نے جھک کر ٹرام کے نیچے دیکھا۔

مردہ دھڑ سے خون کی ننھی منی لکیریں ادھر ادھر پھیلتی ہوئی پہیوں تک بڑھ آئی تھیں لڑکے کا مردہ سر ٹرام کی اندرونی مشین کے پیندے کے پاس چھپا

ٹرام کے نیچے

ایک بچے کا کٹا ہُوا دھڑ

تڑپ رہا تھا

ہوا تھا۔ بھکاری ٹرام کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے کہ مردہ لاش اور ٹرام کے ساتھ کیا کیا جائے۔

ٹریفک بالکل بند تھا۔ آنے جانے والی ٹرامیں تھوڑی تھوڑی دور کھڑی تھیں ٹراموں میں بیٹھے لوگ گھبرا گھبرا کر بار بار کھڑکیاں بند کر رہے تھے مگر بھکاری بھاگ بھاگ کر کھڑکیوں سے ٹکراتے اور بخشش کی التجا کر رہے تھے

یکایک سالن اور کباب کی خوشبو اس کی ناک میں گھس گئی۔ اور پھر سے اس کے پیٹ میں گرم گرم لہریں بلند ہونے لگیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سے شور مچاتے بھکاری ٹرام کے پریشان مسافر اور خون میں رنگا ہوا جسم غائب ہو گیا۔ اور اس کا رواں رواں روٹی کے لئے تڑپنے لگا۔

وہ بجلی کی سرعت سے مڑا اور ماجدیہ اور آمینہ ہوٹل کے قریب آپہنچا۔ اس کی بے تاب نگاہوں نے میزوں پر طرح طرح کے کھانے دیکھے جن کو لوگ تیزی سے کھا رہے تھے۔

ہوٹل کا اندرونی منظر بے حد عجیب تھا بھیڑ کے علاوہ بیروں نے چلا چلا کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ ہوٹل کا مینیجر بھیڑ کی وجہ سے گھبرایا ہوا بار بار نوٹ تھامتا نقدی گنتا اور اپنی پیٹی میں ٹھونستا جاتا تھا۔ ہوٹل کے باہر مسجد سے لے کر دور دور چوراہوں تک بھکاری مرد اور عورتیں کھڑے تھے، اور حسرت بھری نگاہوں اور دعاؤں بھری آوازوں سے کھانے والوں کی توجہ کھینچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ان میں سے ہر ایک ہوٹل سے نکلنے والے شخص کے سامنے کھڑے ہونے کی کوشش کرتا۔ اس پر دھینگا مستی ہوتی۔ بے چارگی دکھانے کے لئے بھکاریوں کی لمبی لمبی صفیں زمین پر لیٹ رہتی تھیں، بار بار پیٹ پیٹ تھپتھپا رہی تھیں۔

اس نے محسوس کیا کہ اس کی زبان نے قبل از وقت مزے لینے شروع کر دیئے ہیں۔

منہ میں پانی بھر آیا تھا۔

اس نے ہونٹ کاٹ کھائے اور سوچنے لگا کہ اس کے جذبات ان بھکاریوں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اگر اسے اپنے شہری ہونے کا احساس نہ ہوتا تو وہ بھی وہی کچھ کرتا جو یہ لوگ کر رہے تھے۔ مگر مگر سوچتے ہوئے اس کا خون کھولنے لگا۔ آخر کیوں یہ بے انصافی کیوں "میں بھوکا نہیں رہوں گا۔ میں بھوکا نہیں رہوں گا یہ بھکاری مرتے ہیں تو مر جائیں مجھے کیا۔ میں ضرور کھاؤں گا میں ضرور کھاؤں گا"

ان خیالات نے اس کی ہمت بندھائی اور وہ ایسے منصوبے باندھتا ہوا واپس چت پور پہنچا ٹرام کے قریب میونسپل کارپوریشن کا ایک ٹرک کھڑا تھا جس کے اوپر بے شمار مکھیاں اور چھوٹے چھوٹے کیڑے اڑ رہے تھے۔

یہاں پھر وہی منظر سامنے تھا بھکاری بدستور ادھر ادھر روتے چلاتے بھاگ رہے تھے۔ ایک ایک

سب کی آنکھیں بند تھیں، ہڈیوں کے پنجر بڑبڑا رہے تھے۔

کے سامنے ہاتھ اٹھا رہے تھے۔

ننگے کالے پیٹوں کو تھپتھپا کر مریل بچوں کو اٹھا اٹھا کر بھیک مانگ رہے تھے۔ فٹ پاتھ پر ہڈیوں کے معصوم پیکر ہاتھ اٹھا اٹھا کر "صاحب سلام" کہہ رہے تھے۔

اس کے دل میں اچانک ایک جذبہ پیدا ہوا۔ نامعلوم نقرئی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ ضبط کرتے ہوئے آستین سے اس نے آنسو پونچھے۔ اور آہستہ آہستہ چاندنا بازار کی طرف چل دیا۔ سورج دریا کا ڈوب چکا تھا۔ بازار خالی۔ اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ دیر تک چلتا رہا حتیٰ کہ اس کا سر پھر سے چکرانے لگا۔ پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ مگر سنبھل کر کانپتے ہوئے ایک قریبی کھمبے سے ٹیک لگا کر رک گیا۔ آہستہ آہستہ اس کے دماغ کا توازن ڈولنے لگا۔

اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ کالی فضائیں اس کے اردگرد چکر لینے لگیں۔ اسے یوں محسوس ہوا گویا۔ اس کا ہر خیال اپنے شانے پر سنگین لگائے اس کے سر پر سے گذر رہا ہے۔ خیالات کے جھرمٹ میں معاہت سی سنگینوں کے ٹکرانے کی صدائیں آئیں۔ کہیں دور سے بگل بجتا ہوا سنائی دیا۔ بے پناہ شور و غوغا۔ خوفناک آوازے شوردار پٹاخے پھٹنے لگے اور دماغی معرکوں سے تنگ آ کر اس نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

اس نے محسوس کیا۔ اس کے جسم کی رہی سہی طاقت ان پریشان خیالات کو تقویت دے رہی ہے کچھ دور چلنے کے بعد . . . . اچانک ہلکے ہلکے خیالات اس کے اردگرد منڈلانے لگے۔

اسے ساگ کے پکنے کی دھیمی دھیمی خوشبو آنے لگی ساگ جو اس کی ماں بڑے شوق سے پکایا کرتی تھی۔

ساگ، چاول اور بھنی ہوئی مچھلی کی خوشبو آئی عالمِ خیال میں ان لذیذ چیزوں کو پکڑنے کے لئے اس نے زور سے ہاتھ بڑھایا۔ ایک دھکا سا لگا فٹ پاتھ پر لڑکھڑاتے ہوئے اس نے سنبھلنے کی کوشش کی اور بہو بازار کی طرف چل دیا۔ وہ دیر تک چلتا رہا۔ کھانے پینے کے خیالات میں مگن اور ان پہ جیتا ہوا وہ بہو بازار میں داخل ہوا۔

اس نے دیکھا ہر طرف فٹ پاتھ پر لاشیں ہی لاشیں پڑی ہوئی تھیں فضا میں سڑاندا اور بو بسی ہوئی تھی۔ لاشوں کے اوپر گدھ زور زور سے پر ہلا رہے تھے۔ تمام دکانیں بند تھیں۔ دکانوں کے دروازے بند تھے۔ اس کے سامنے ایک ویران قبرستان کا منظر تھا۔

چلتے ہوئے وہ ایک کھمبے کے قریب رک گیا۔

سڑے ہوئے گوشت کی بو اس کے اردگرد پھیل گئی بلیک آؤٹ کی وجہ سے مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جس میں لاشیں ہلتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

اس نے غور سے دیکھا۔

چند بڈھے اور عورتیں دیوار سے ٹیک لگائے ذرا صاف نظر آ رہے تھے۔ سب کی آنکھیں بند تھیں ہڈیوں کے پیکر بڑبڑا رہے تھے۔ ان لوگوں میں ابھی کچھ جان تھی۔ ان سب کے لب ہل رہے تھے۔ اور مسلسل کانپتے جاتے تھے۔

بدبودار لبادوں میں لپٹے ہوئے ہاتھوں کو وہ بار بار ہلا رہے تھے!

ان کے قریب ایک عورت لیٹی ہوئی تھی جس کی چھاتی کے کپڑے تار تار ہو گئے تھے۔ اس کے ایک پستان کو ایک نیم مریل بچے نے تھام رکھا تھا۔

نیم مردہ لاشوں کے لب ہل رہے تھے وہ سمجھ گیا کہ یہ بدنصیب بے ہوشی میں بھیک مانگ رہے تھے اور شاید "بخشش" کے لفظ دہرا رہے تھے۔

اس کا رُواں رُواں

روٹی کے لیے

تڑپنے لگا

اسی طرح کے بہت سے ڈھانچے فٹ پاتھ پر ایک دوسرے کے اوپر دور تک پڑے ہوئے تھے۔

"دھینگ دھانگ"

"دھینگ دھانگ" کی آواز آئی اس نے مڑ کر دیکھا۔

ایک وکٹوریہ گاڑی آہستہ آہستہ اس کی طرف آ رہی تھی۔ گاڑی کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے تکنے لگا۔! اس کی مدھم سی روشنی بازار میں ٹمٹماتی ہوئی آخری کار اس کے قریب آ گئی اور عین بجلی کے کھمبے تلے آ کر رک گئی۔

اس نے دیکھا

وکٹوریا میں ایک امریکن اور ایک عورت بیٹھے ہوئے تھے۔ اور سر سے سر ملائے کچھ بات چیت کر رہے تھے۔ وکٹوریہ کا کوچوان سرخ رنگ کی لمبی ٹوپی پہنے اونگھ رہا تھا۔

اچانک اس کی نگاہ وکٹوریہ کے پیچھے لوہے کی چھوٹی سی نشست گاہ پر پڑی وہ بے وقت بڑھا اور اچانک کر اس پر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اسے کچھ تسکین ہوئی۔ بازار میں گھوڑے کے سم گونج رہے تھے۔ کہیں کہیں پہیئے تلے کوئی لاش آ جاتی تو پہیہ زور سے اچھلتا جس سے کوچوان چونک کر لگام ہلاتے ہوئے بڑبڑاتا اور پھر خاموش ہو جاتا۔

وکٹوریہ کے اندر عورت بار بار قہقہے قہقہے لگا رہی تھی، اس کی آنکھوں کے سامنے اچانک وکٹوریا کا سیاہ رنگ دوسری ننھی سی وکٹوریا بن کر چلنے لگا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔!

وکٹوریا میں دونوں ایک دوسرے کو چوم رہے تھے، "دیکھو ڈارلنگ کل ہم چلیں گے بوٹینیکل گارڈن سب محبت کرنے والے وہاں جاتے ہیں۔! وہ ریکارڈ بجائیں گے . . . وہ سٹارمی ویدر اینڈ یو . . . . .!"

"اوکے" ڈارلنگ اوکے"۔

دیر تک دونوں سٹارمی ویدر کی دھن پہ گاتے رہے۔

"او سیوئی میرے دل کے پاس آؤ"۔

گاڑی بہت دیر تک چلتی رہی اور چورنگی میں آ داخل ہوئی۔ اس کے اردگرد کا شور اس کے دماغ پر حاوی ہو گیا تھا۔ اور اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

اپنی نشست کی گرفت کو مضبوط کرتے ہوئے اس نے دیکھا مدھم مدھم قمقمے ٹمٹا رہے تھے۔ بلیک آؤٹ کے باوجود چینی ہوٹل کے ماتھے پر طرز جدید کے بلب لگے ہوئے تھے۔ جن کے نیچے لوگ آ جا رہے تھے۔

ٹرامیں شور مچاتی ہوئی گذر رہی تھیں بائیں

اُس نے زور سے بچّے کے جسم کو اپنے دانتوں سے کاٹ لیا

طرف ٹراموں کی ایک قطار درمیانی راہبر لائیٹ کا انتظار کر رہی تھیں۔ چوک میں کوئی سپاہی نہ تھا۔

درمیان میں ایک چھوٹا سا کھمبا لگا ہوا تھا جو گھوم گھوم کر روشنی بدل بدل کر راستہ بتا رہا تھا اس کے عقب میں گئی رکشتے آر کے جن میں نیگرو سپاہیوں کے پہلو میں کرسچن لڑکیاں بیٹھی سگریٹ پی رہی تھیں قریب ہی ٹیپو سلطان کی مسجد تھی۔ اندھیرے میں اس کے خفیف سے گنبد نظر آ رہے تھے۔

معاً چوک کے کھمبے نے اپنا سبز سر۔ وکٹوریا کے گھوڑے کی طرف کر دیا۔

وکٹوریہ تیزی سے چوک پار کرنے لگی۔ جس کے ساتھ ساتھ گھنگھرو بجاتے ہوئے رکشا قلی دوڑنے لگے

وکٹوریہ تیز دوڑتی ہوئی چورنگی کے فٹ پاتھ کے عین متوازی آہستہ آہستہ گذرنے لگی۔

سڑک کے دائیں طرف موٹریں تیز تیز سفر کر رہی تھیں۔ بازار کے آخر میں فٹ پاتھ کے عقب گھاس کے میدان تھے جن کے بیرونی کونوں پر درخت کھڑے جنگل کا منظر باندھ رہے تھے۔

پر رونق فٹ پاتھ پر دکانوں کے سامنے مٹی اور اینٹ کی دیواری کھڑی تھیں جو بمباری کے ڈر سے تیار کی گئی تھیں۔

فٹ پاتھ پر دھیمی سی روشنی۔ جس میں لوگ ادھر ادھر پھر رہے تھے۔

کسی کے ہاتھ میں تصویریں تھیں کسی نے میگزین تھام رکھے تھے کہیں سگریٹ اور گھڑیاں زمین پر لگائے بیٹھے تھے۔ اس فٹ پاتھ پر سے نوجوان جوڑے کثرت کے ساتھ چلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کی رفتار دھیمی تھی۔

اور لوگوں کی زیادتی کی وجہ سے کھوے سے کھوا چھل رہا تھا وکٹوریہ آہستہ آہستہ چلتی رہی اور چلتے ہوئے ایک چوراہے پر رک گئی۔

چوراہے کے نکڑ پر چند کم سن بچے لمبے لمبے فلوٹ لبوں سے لگائے مغربی دھنیں بلند کر رہے تھے۔ جس کا جواب آنے جانے والے فوجی سپاہی باریک سیٹیوں سے دے رہے تھے۔

ان میں چند فلوٹ بیچنے والے راہ گیروں کا راستہ روک کر فلوٹ خریدنے کی التجا کر رہے تھے۔

بعض نوجوان جوڑے مختلف اطراف سے آتے دیکھتے ہی رک جاتے اور بجائے فلوٹ خریدنے کے آپس میں بات چیت کرتے اور مسکراتے ہوئے ہوئے باہوں میں باہیں ڈالے، تنگ اینٹوں کی دیواروں کی طرف مڑ جاتے اور فلوٹ والا ان کے عقب میں چلاتا، دوڑتا، خرید لو صاحب دو روپیہ دینا سکتا"

وکٹوریا پھر سے چلنے لگی۔

وہ بدستور اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ گہما گہمی، پر رونق ماحول اور زندگی سے متحرک خیالات چند لمحات کے لئے اس پر چھا گئے تھے وکٹوریا ایک موڑ پر رکی امریکن گاڑی سے اتر کر سگرٹ کی دکان پر جا کھڑا ہو،

سگرٹ کی دکان کے عین پاس گھنگھرو جھنکارتی ایک کم سن لڑکی ناچ رہی تھی۔ ایک بوڑھا ہارمونیم گلے میں لٹکائے جھوم جھوم کر بجا رہا تھا۔

لڑکی کی آنکھیں سرمگیں تھیں۔ تیل میں ڈوبے ہوئے سر کے بال چمک رہے تھے۔ گالوں پر سفید دائرے بنے ہوئے تھے لڑکی کے ارد گرد لوگ جمع تھے

امریکن سگریٹ خرید کر پھر وکٹوریہ میں بیٹھ گیا فلوٹ کے دھیمے دھیمے سروں کو چھوڑتی ہوئی وکٹوریہ چلنے لگی۔ (LAKE) چلو، امریکن نے غراتے ہوئے کہا۔

کوچوان نے سنتے ہی تیزی سے دو ایک چابک گھوڑے کو مارے اور وکٹوریہ جھیل کی طرف بھاگنے لگی

چورنگی کی رونق دھیمی رنگین روشنیاں، فلوٹ کے دبے دبے سر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے جوڑے اور اینٹ کی دیواریں اب دور رہ گئیں تھیں۔

سرد ہوا کے جھونکے اس کے کانوں کو چھو رہے تھے۔ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے اور ہوا کے زور سے قمیص پھول گئی تھی۔

غیر ارادی طور پر اس نے اپنا سر جھکا دیا اور لکڑی کے تختے پر اپنے لب پیوست کر دیئے اور دھیرے دھیرے زبان سے تختہ کو چاٹ چاٹ کر چوسنے لگا

اس تختے میں ہلکی سی نمکین آمیزش اسے محسوس ہوئی اور بے تابی سے وہ تختے کے روغن کو چاٹنے لگا۔ مگر جلد ہی درد سے زبان کانپ اٹھی۔

تختے کا ایک چھوٹا تنکا اس کی زبان میں گھس گیا تھا جوں ہی اس نے تختے کو چوسنا بند کیا۔ اس نے سنا۔ کوئی وکٹوریا میں کسی کو چوس رہا تھا

وہ دیر تک درد سے کانپتی زبان کو دانتوں تلے دبائے ان آوازوں کو چوس رہا تھا۔

گاڑی اب کونتار کی کھلی سڑک پر بھاگ رہی تھی جس کے ارد گرد ناریل کے درخت وکٹوریا کی طرف جھکے ہوئے پیچھے رہتے جا رہے تھے گاڑی آہستہ ہوئی اور ایک طرف مڑ کر ایک دم رک گئی مسافر اتر گئے اور ایک خاموشی چھا گئی۔

وہ بے اختیار سا اپنی جگہ پر بیٹھا لڑکھڑایا اور سڑک پر آ کھڑا ہوا جوں ہی اس نے پہلا قدم اٹھایا اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ تیز چکر کھانے والے ہنڈولے میں بیٹھ گیا ہے۔

کبھی ادھر کبھی ادھر تیزی سے چکر آنے لگے جھیل کی ٹھنڈی ہوا۔ میٹھی میٹھی چاندنی طراوت گھاس مخملی فرش ناریل کے درخت دیکھتے دیکھتے پھیکے پڑ گئے۔ سکڑتے گئے اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گئے اداسیوں اور غموں کے بوجھ۔۔۔ سے اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ مسلسل چکر کھاتا ہوا لڑکھڑ لڑکھڑا، رک رک کر سڑک پر قدم اٹھانے لگا۔

ٹالی گنج کو جانے والی ٹرام لائین کے پاس اس کا پاؤں پھسلا، اور زمین پر آ گرا۔

گرتے ہی لڑکھڑاتا ہوا دور ڈھلان تک چلا گیا۔ اور ہلکی سی ٹھوکر سے چاروں شانے چت گر گیا۔

اس نے تیزی سے ہاتھ پھیلائے۔

اس کے ارد گرد مردہ پنجر پڑے ہوئے تھے مردہ گوشت کی سڑاند اس کی ناک میں گھس گئی۔

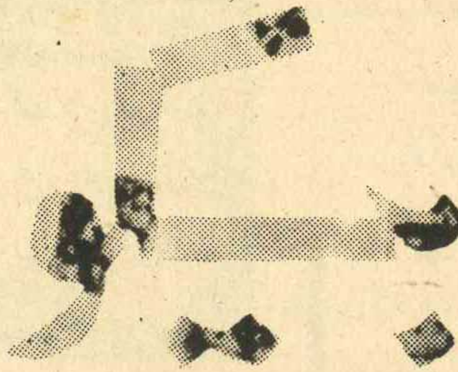
اس نے نیم خفتہ آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا دور دور تک ہر طرف لاشیں ڈھانچے کھوپڑیاں لمبی لمبی ہڈیاں رینگتے ہوئے کیڑے اور بہت سے سائے ہل رہے تھے۔

چند خیال تیزی سے اس کے دماغ پر حملہ آور ہوئے۔

۔۔۔ یہ لوگ مر گئے ۔۔۔ کیا ۔۔۔ میں بھی ۔۔۔

باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں

۲۲ خاندان
تفصیلات بھی



۲۲ خاندانوں میں دس ۱۰ نمبر پر

الفتح رپورٹ

بیکو اس وقت پاکستان کے بائیس بدنام سرمایہ دار خاندانوں میں دسویں نمبر پر ہے اور پنجاب کے سرمایہ داروں میں اس کا پانچواں نمبر ہے۔ ۱۹۵۵ء سے بیکو گروپ کی یہ پوزیشن وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتی رہی ہے۔ کبھی آگے کبھی پیچھے لیکن ہمیشہ اس فہرست میں ہی۔

کافی عرصہ تک بیکو کا ملکی مارکیٹ میں کوئی مدِمقابل نہ تھا۔ فولاد اور لوہے کے بھاری انجینئرنگ کے سامان کی پروڈکشن پر اُسے مکمل اجارہ داری حاصل رہی علاوہ ازیں بیکو گروپ نے کبھی بھی مزدوروں کو متحد نہیں ہونے دیا۔ اور ہمیشہ اُنھیں اپنی مرضی کے دام دیتے رہے۔

کوریا کی جنگ کے بعد حکومت بھاری انجینئرنگ کے سامان پر تدریجاً پابندیوں میں اضافہ کرتی چلی گئی۔ اس طرح ملکی مارکیٹ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ نتیجتاً بیکو کی بن آئی۔ انہ[redacted]نے اِن حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنا مال منہ مانگے داموں پر بیچنا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ اپنے چھوٹے شیئر ہولڈروں کا منافع۔ ریزرو میں جمع کیا جاتا رہا اور اس طرح بڑی تیزی سے دولت کے انبار جمع ہونے شروع ہو گئے۔

۱۹۶۶ء میں بیکو کا اداشدہ سرمایہ تین کروڑ تھا۔ اور اس کے اثاثوں کی قیمت ۹ کروڑ سے تجاوز کر چکی تھی۔ پاکستان کے پانچ سالہ منصوبوں کے دوران بیکو کی ترقی کی رفتار ملاحظہ ہو۔

سال	اداشدہ سرمایہ (کروڑوں میں)
۱۹۵۵	۰٫۶۵
۱۹۶۰	۲٫۶۹
۱۹۶۵	۳٫۶۰
۱۹۶۹	۵٫۱

۱۹۵۴ء میں بیکو کا یہ سرمایہ صرف ۲۵ لاکھ تھا اور ۱۹۶۹ء میں یہی سرمایہ ۵۰۵ لاکھ ہو گیا۔ اس دوران اثاثوں میں جو اضافہ ہُوا وہ اللہ دین کے چراغ کا کمال لگتا ہے۔

بیکو گروپ کے اداشدہ سرمایہ میں سال بہ سال اضافہ کی رفتار یہ رہی۔

سال	سرمایہ (لاکھوں میں)
۱۹۵۴ء	۲۵
۱۹۵۵ء	۵۰
۱۹۵۶ء	۶۱
۱۹۵۷ء	۱۳۶
۱۹۵۸ء	۱۳۹
۱۹۵۹ء	۱۳۹
۱۹۶۰ء	۲۹۱
۱۹۶۱ء	۲۹۱
۱۹۶۲ء	۳۰۰
۱۹۶۳ء	۳۰۰
۱۹۶۴ء	۳۰۰
۱۹۶۵ء	۳۰۰
۱۹۶۶ء	۳۰۰
۱۹۶۷ء	۳۰۰
۱۹۶۸ء	۴۰۰
۱۹۶۹ء	۵۰۵

بٹالہ انجینئرنگ کمپنی لمیٹڈ (پاکستان) ۱۹۳۳ء میں بٹالہ (ہندوستان) میں قائم ہُوئی۔ آزادی کے بعد پاکستان پہنچتے ہی بٹالہ گروپ نے مکند آئرن اینڈ سٹیل ورکس (بادامی باغ لاہور) اپنے نام الاٹ کرا ڈالی۔ ۱۹۴۷ء ہی میں دونوں پارٹیوں کے درمیان اپنی اپنی اشیاء کے تبادلے کا ایک معاہدہ طے پاگیا جس کی منظوری حکومت پاکستان سے مل گئی۔ ملک میں کسی اور بھاری انجینئرنگ کے کارخانے کے نہ ہونے کا پُورا پورا فائدہ اٹھایا گیا۔ سب سے پہلے ورکشاپ کی مرمت کی گئی اور اسے جدید فیکٹری میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل ڈیپارٹمنٹ کھولے گئے۔

۱- سٹیل ورکس
۲- سٹیل فونڈری
۳- سٹیل رولنگ ملز
۴- آئرن اینڈ نان فیرس فونڈری
۵- مشین ٹول شاپ

باقی صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں

شہناز پروین سحر

قتل ہی کر دو سب کو

میں نے خود اپنے لیے زخم چنے ہیں برسوں
سینکڑوں زخم جو مرہم بھی نہیں پا سکتے
پھر بھی ہر زخم کو دُنیا سے چھُپا رکھا ہے
میں نے خود اپنی امیدوں کے گلے گھونٹ دیئے
اور اُن لاشوں کو آہوں میں دبا رکھا ہے
مُجھ کو حالات نے بے حِس سا بنا رکھا ہے
میں کہ اِک راہ کے پتھّر کے سوا کُچھ بھی نہیں
تم اگر چاہو تو ٹھکرا کے گزار سکتے ہو!
تم جسے میں نے امیدوں کا کنول سمجھا ہے
کتنے سہمے ہُوئے خوابوں کا بدل سمجھا ہے
میں اندھیروں کی مکیں روشنی کیوں کر پاؤں
میں دمکتا ہُوا مہتاب کہاں سے لاؤں
ان گنت لمحے مری زیست کے بیکار رہے
وحشتیں ناچتی ہیں موت کو ہمرہ لے کر
زندگی روٹھ ہی جائے نہ چھُپا کر چہرا
بند کمرے میں، میں گھُٹ گھُٹ کے نہ مر جاؤں کہیں
چند سوچیں ہیں جو لفظوں کی قبا مانگتی ہیں
مانگنا جُرم ہے ذلّت ہے خود آزاری ہے
کیوں نہ میں قتل ہی کر دوں یہ بھیانک سوچیں
کس نے دیکھے ہیں تمنّاؤں کے اندھے سجدے
کون سہمے ہُوئے خوابوں کا بدل بنتا ہے
یہ تمنّائیں، یہ سوچیں، یہ تمہاری ہستی!
ہاں سحر آگے بڑھو، قتل ہی کر دو سب کو

مثال رضوی

غزل

دِلوں کی جوت جگاؤ بڑا اندھیرا ہے
سحرِ سے دھوکہ نہ کھاؤ بڑا اندھیرا ہے

بِکھر کے دُور نہ جاؤ بڑا اندھیرا ہے
سِمٹ کے دل میں سماؤ بڑا اندھیرا ہے

یہ شمس و ماہ تو پرتو ہیں حسنِ باطن کا
فریبِ نُور نہ کھاؤ بڑا اندھیرا ہے

بُجھا رہا ہے زمانہ چراغِ دیر و حرم
نقاب رُخ سے اُٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے

دلوں کے داغ نے رکھا ہے منزلوں کا بھرم
کچھ اور دل کو جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

چمن کے خواب چمکتے رہے نگاہوں میں
قفس میں دھوم مچاؤ بڑا اندھیرا ہے

ان آندھیوں میں کہاں چل دیئے چراغ لئے
مثالؔ ہوش میں آؤ بڑا اندھیرا ہے



پاکستان پیپلز پارٹی نئی کراچی کے جنرل سیکریٹری فتح محمد شیرین بھٹو کے ساتھ مصروف گفتگو ہیں

جماعتِ اسلامی
مختلف ناموں سے
کمرشل پلاٹ خرید رہی ہے

اب نئی کراچی کے کیبنوں والے بیدخل ہوں گے

نمائندہ الفتح

ادارہ ترقیات کراچی نے نئی کراچی کے کیبن ہولڈروں کو متنبہ کیا ہے کہ انہوں نے غیر قانونی طریقے سے سڑکوں کے کنارے یا کھلے ہوئے میدان میں کیبن بنائے ہیں مارکیٹوں میں سرکاری دکانوں پہ ناجائز قبضہ کر لیا ہے ان کا تمام کاروبار ناجائز اور غیر قانونی ہے لہٰذا انہیں کسی وقت بھی بے دخل کیا جا سکتا ہے" اطلاع عام کے دوسرے پیراگراف میں کہا گیا ہے ۔ کے ڈی اے کی گورننگ باڈی نے طے کیا ہے کہ سڑک نمبر ۷۰۰ کے متوازی کافی تعداد میں کمرشل پلاٹ بنائے جائیں اور بذریعہ نیلام عام فروخت کئے جائیں تاکہ کیبن ہولڈر ان پلاٹوں کو خرید کر اپنا کاروبار چلائیں اگر ناجائز کیبن ہولڈروں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا تو تمام ذمہ داری ان کی اپنی ہو گی اور بوقت بیدخلی ان کا کوئی عذر قابل سماعت نہ ہو گا۔"

ادارہ ترقیات کراچی کے اس اطلاع عام سے نئی کراچی کے آٹھ سو کیبن ہولڈروں میں شدید اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے ۔ وہ ۱۹۶۶ء سے اپنا کاروبار کر رہے ہیں اس سے پہلے بھی انہیں کئی بار بیدخلی کے نوٹس مل چکے ہیں ۔ وہ خوف اور تذبذب کے عالم میں اپنا کاروبار کر رہے ہیں ، کیبن ہولڈروں کی یونین پاک ویلفیئر ایسوسی ایشن ، کیبن ہولڈرز نئی کراچی کے وفد نے متعدد بار متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا اور انہیں اپنے مسائل سے آگاہ کیا ۔ مگر انہیں متبادل جگہ فراہم کرنے کی یقین دہانی نہیں کرائی یونین کے نائب صدر محمد اسحاق بلوچ نے بتایا کہ اس غیر یقینی کیفیت کو ختم کرنے کے لئے گورنر کے نام ٹیلگرام کیا گیا ۔ ایک وفد پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سے بھی ملا اور انہیں کیبن ہولڈروں کے مسائل سے آگاہ کیا گیا ۔ انہوں نے متعلقہ حکام سے اس مسئلے کے منصفانہ حل پر زور دیا ۔ ایک وفد کے ڈی اے کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر سومرو سے بھی ملا ، انہوں نے جواب دیا "یہ مسئلہ میرے اختیار میں نہیں ہے"۔ کمشنر کراچی سے بھی ملاقات کی گئی ، ان کا جواب بھی کچھ ایسا ہی تھا ۔ ان سے کہا گیا کہ کیبن ہولڈروں کو متبادل جگہ دی جائے"۔ انہوں نے جواب دیا ۔

"کیبن ہولڈر نیلامی میں کمرشل پلاٹ خریدیں ۔ انہیں بتایا گیا کہ کمرشل پلاٹ فی گز ۳۔سو ۶ روپے میں بک رہے ہیں اور نئی کراچی کے کیبن ہولڈروں میں اتنی قوت خرید نہیں ہے تو کمشنر صاحب نے فرمایا نئی کراچی کے لوگ ہی اس زمین کو خریدیں گے"

نئی کراچی کے بعض علاقوں میں کمرشل پلاٹ نیلام کئے جا رہے ہیں ۔ پلاٹ کا رقبہ ۴۰ گز رکھا گیا ہے نیلام کی بولی ۲۰ روپے فی گز سے شروع کی جاتی ہے جو بڑھتے بڑھتے ۳ سو ۶ روپے تک پہنچ جاتی ہے ، کیبن ہولڈروں کے پاس اتنی رقم نہیں کہ وہ بولی میں حصہ لے سکیں ۔ صرف متمول لوگ خرید سکتے ہیں ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اگر ہمیں یہاں سے ہٹانا ضروری ہے تو پھر متبادل جگہ فراہم کی جائے : تاکہ ہم اپنا کاروبار جاری رکھ سکیں "۔

کیبن ہولڈروں کی یونین نے بھاگ دوڑ کر کے عدالت سے ایک ماہ کے لئے حکم امتناعی حاصل کر لیا ہے ۔ لیکن یہ اس مسئلے کا مستقل حل نہیں ہے اس سلسلے میں پانچ نمبر اور سندھی ہوٹل کے متعدد کیبن ہولڈروں سے ملاقات کی گئی کہ ہر کیبن ہولڈر کا تقریباً ایک ہی موقف ہے "انہیں آسان اور سستی قیمتوں پر متبادل جگہ فراہم کی جائے"۔

سندھی ہوٹل کا علاقہ ، نئی کراچی میں مرکزی بازار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے ۔ یہاں ہر قسم کی دکانیں ہیں اور تقریباً ہر وقت خرید فروخت کا بازار گرم رہتا



پاک ویلفیئر ایسوسی ایشن کیبن ہولڈرز نئی کراچی کے نائب صدر محمد اسحاق

ہے یہاں کی بیشتر دکانیں سڑک کے دونوں طرف آباد ہیں جس سے آمد و رفت میں روز بروز مشکلات پیدا ہوتی جارہی ہیں اگر اس علاقہ کے کرتا دھرتا ابتدا ہی سے اس بات کا خیال رکھتے تو شاید آج یہ مسئلہ اتنی پیچیدگی اختیار نہ کرتا اور نہ ہی کیبن ہولڈروں کا کاروباری مستقبل اس قدر غیر یقینی فضا میں سانس لیتا۔ اب یہ مسئلہ جہاں انتظامیہ کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے وہیں تقریباً پانچسو کیبن ہولڈروں کے خاندان کے مستقبل کے لئے سنگین خطرہ بن گیا ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی نئی کراچی کے جنرل سیکرٹری فتح محمد نے بتایا کہ ہماری پارٹی کیبن ہولڈروں کے مسائل سے پوری دلچسپی لے رہی ہے ہم اس بات کی پوری جدوجہد کر رہے ہیں کہ کیبن ہولڈروں کو آسان قیمتوں پر متبادل جگہ دیئے بغیر انہیں بیدخل نہ کیا جائے۔ اگر ایسا کوئی قدم اٹھایا گیا تو ۸ سو کیبن ہولڈروں کے ساتھ ان کے خاندان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ یونین کا ایک وفد چیئرمین بھٹو سے ملا۔ انہوں نے کیبن ہولڈروں کے مسائل سے بھرپور ہمدردی کا اظہار کیا متعلقہ حکام کے نام خط بھی لکھ کر دیا آپ کو تو معلوم ہے نوکر شاہی ہم سے کتنا دور بھاگتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل پیدا کئے جاتے ہیں پھر انہیں سنگین بنا دیا جاتا ہے۔ یہ مسائل اس وقت تک حل نہ ہوں گے جب تک نوکر شاہی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ پورا معاشی سیاسی اور سماجی ڈھانچہ تبدیل نہیں ہو جاتا اور ملک میں عوامی جمہوریت قائم نہیں ہو جاتی کیبن ہولڈروں کا مسئلہ معمولی نوعیت کا ہے انہیں متبادل جگہ فراہم کی جاسکتی ہے، مگر نوکر شاہی اس مسئلے کو اتنی آسانی سے ختم نہیں کرنا چاہتی۔ اس میں برابر پیچیدگی پیدا کی جارہی ہے ادھر جماعت اسلامی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کیبن ہولڈروں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہی ہے اور ایک خالص کاروباری مسئلے کو الجھا کر اپنا سیاسی مقصد پورا کرنے میں لگی ہوئی ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جماعت اسلامی کے بعض افراد متعلقہ حکام سے مل کر نیلامی کے طریقہ کار کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ جماعت مختلف ناموں سے کمرشل پلاٹ خرید رہی ہے اور پھر اپنے اعتماد کے لوگوں کو دے رہی ہے پیپلز پارٹی کیبن ہولڈروں کے ساتھ ناانصافی نہ ہونے دے گی اور اس بات کی پوری جدوجہد کرے گی کہ اس مسئلے کا کوئی ایسا حل نکل آئے جو یہاں کے غریب کیبن ہولڈروں کے لئے قابل قبول ہو۔

بقیہ : ۲۲ خاندان

۶ - ڈیزل انجن شاپ
۷ - سٹرکچرل شاپ
۸ - جنرل انجینئرنگ اور انڈسٹریل مشینری شاپ
۹ - ٹیکسٹائل مشینری شاپ

جرمنی سے ویگنر پلانٹ کی ۱۲۰ مشینیں حاصل کی گئیں۔ اور ان مشینوں کو لگانے کے لئے ایک عظیم عمارت تعمیر کی گئی۔ ۱۹۵۳ء میں ایک اور اضافہ ہوا۔ سینٹری فیوگل اور ٹربائن پمپ بنانے کے لئے ایک الگ حصّہ مخصوص کیا گیا۔ اس طرح کمپنی پھیلتی چلی گئی۔ اور ملک کا سب سے بڑا اسٹیل اور انجینئرنگ کا ادارہ بن گئی۔ ۱۹۶۳ء میں بائیسکل فیکٹری اور الیکٹرک موٹر فیکٹری لگائی گئیں۔ اور اس طرح ۱۹۶۴ء میں بائیسکلیں بننا شروع ہوگئیں اور اب ہر سال تقریباً ایک لاکھ سائیکلیں تیار ہو رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تقریباً ایک ہزار موٹریں (۲ ہارس پاور سے ۵۰ ہارس پاور تک)، ماہانہ بن رہی ہیں۔ کوٹ لکھپت پر شوگر اور کیمیکل پلانٹوں کے لئے سپیئر پارٹ بنانے کے لئے ایک الگ فیکٹری قائم ہے۔ یہ ۱۹۶۴ء سے کام کر رہی ہے۔

۱۹۶۶ء میں بیکو گروپ میں پانچ ڈائریکٹر تھے۔ جن میں سے چار اُن کے اپنے خاندان کے افراد ہیں۔ اس گروپ کی سب سے اہم شخصیت سی ایم لطیف ہے۔ ریٹائرڈ وائس ایڈمرل ایچ۔ ایم۔ ایس چوہدری جو سی۔ ایم لطیف کے بھائی ہیں۔ بیکو میں اہم حیثیت کے مالک ہیں اور ڈائریکٹر بھی ہیں۔

اگرچہ بیکو کو انجینئرنگ کے میدان میں مکمل اجارہ داری حاصل ہے اور بے پناہ منافع کمایا جارہا ہے لیکن وہ اپنے شیئر ہولڈروں کو منافع دینے میں بیحد بخیل واقع ہوئی ہے۔

۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۱ء تک منافع کی شرح کبھی بھی ۱۵ فیصد سے نہیں بڑھی۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک بیکو نے اپنے شیئر ہولڈروں میں ایک پائی منافع تقسیم نہیں کیا اور اپنے ریزرو فنڈ کو خوب بھرا۔ لیکن جب گورنمنٹ نے ریزرو فنڈ پر ٹیکس عاید کیا تو بیکو نے ٹیکس سے بچنے کے لئے شیئر ہولڈرز کو منافع دینا شروع کر دیا۔ اور ۱۹۶۸ء میں انہیں بحالت مجبوری یہ شرح بڑھا کر ۲۰ فیصد کرنی پڑی۔

کتابوں پر تبصرہ

تعلقاتِ عامہ

تبصرہ کیلئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے



مصنف : زاہد ملک
صفحات : ۳۲۵
قیمت : بارہ روپے پچاس پیسے
ناشر : پرٹساف پرنٹرز و پبلشرز۔ کراچی
ملنے کا پتہ : فیروز سنز لمیٹڈ۔ لاہور۔ کراچی۔ ڈھاکہ

پاکستان میں تعلقاتِ عامہ کے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ حقیقت میں تعلقاتِ عامہ جیسے اہم موضوع پر آج سے بہت پہلے ایسی کتاب چھپ جانی چاہیئے تھی۔ لیکن جیسا کہ ہمارے ہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی نہ کوئی قابلِ ذکر تحقیقی کام ہُوا ہے اور نہ اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اسی طرح اس موضوع پر بھی کسی نے توجہ نہ دی اور ہم کتاب کے مصنف سے اتفاق کرتے ہیں کہ آج پاکستان میں اس اہم موضوع کی اصل رُوح کو بہت کم سمجھا جاتا ہے اور مختلف لوگوں سے فنِ تعلقاتِ عامہ سے اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق علیحدہ علیحدہ معانی نکال رکھے ہیں۔ پاکستان میں تعلقات عامہ کی اصل شکل اس قدر مسخ ہو چکی ہے کہ ہمارے خیال میں خود افسرانِ تعلقاتِ عامہ کو تعلقاتِ عامہ کی ضرورت ہے۔

بہرحال زاہد ملک صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تین سال کی مسلسل محنت اور تعلقاتِ عامہ کے میدان میں اپنے تجربے کی روشنی میں ایک پُرمغز اور بامقصد کتاب تحریر کی ہے۔ اور اس طرح ایک وسیع خلا کو پُر کرنے کی قابلِ تعریف کوشش کی ہے۔

زاہد ملک وزارت اطلاعات و قومی امور کے علاوہ وزارتِ خارجہ میں بھی افسر تعلقاتِ عامہ رہ چکے ہیں اور ملک کے دو سابق وزراء ئے خارجہ کے ساتھ ان کے افسرِ تعلقات کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں۔ آج کل وہ ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان میں شعبہ تعلقاتِ عامہ کے سربراہ ہیں اور کئی ایک سماجی اور رفاہی اداروں کے اعزازی پبلسٹی مشیر بھی ہیں۔

زیرِ بحث کتاب سے پہلے مارکیٹ میں جس قدر کتابیں تعلقاتِ عامہ کے موضوع پر دستیاب تھیں وہ سب کی سب غیر ممالک کے مصنفین کی لکھی ہُوئی تھیں۔ اور اُن کا ہمارے مخصوص حالات و واقعات سے قطعاً کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ اس موضوع پر کوئی ایسی کتاب دستیاب نہ تھی۔ جو پاکستان کے مسائل اور یہاں کی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہو اس لئے یونیورسٹی میں صحافت کے طلبا اور تعلقاتِ عامہ سے عملی دلچسپی رکھنے والوں کو مجبوراً غیر ملکی کتابوں کا سہارا لینا پڑتا۔ مصنف کی یہ کوشش بھی قابلِ تعریف ہے کہ اُس نے اپنی کتاب کو قومی زبان اردو کا چولا پہنایا ہے۔

زاہد ملک نے تعلقاتِ عامہ کے بنیادی اُصولوں کا ذکر کرنے کے علاوہ اپنی کتاب میں اُن اصولوں کا زندگی کے مختلف شعبوں میں اطلاق کے متعلق بھی تفصیل سے لکھا ہے۔ کاش آج کے صنعت کار و سرمایہ دار زیرِ بحث کتاب کا باب "صنعت و تجارت و تعلقاتِ عامہ" غور سے پڑھیں، اور اس بات کو سمجھیں کہ اپنی صنعت کو لُوٹ کھسوٹ سے فروغ دینے کی بجائے اپنے ملازمین کو اعتماد میں لے کر اور اُن کی خوشحالی کے لئے اقدامات کر کے اپنی اور اپنے ادارے کی ساکھ کو بڑھانا چاہیئے۔ جب مارکیٹ میں کسی ادارے کی ساکھ بڑھ جاتی ہے تو پھر عوام کا اس ادارے کی مصنوعات پر بھی اعتماد بڑھ جاتا ہے۔ اور اس طرح اُن مصنوعات کی فروخت یقینی طور پر بڑھ جاتی ہے زاہد ملک نے "تعلقاتِ عامہ" میں اس بات پر بار بار زور دیا ہے کہ تعلقاتِ عامہ بنیادی طور پر مثبت اقدامات کا حامی ہے۔

تجارت و صنعت کے موضوع کے علاوہ مصنف نے کتاب میں حکومت اور افواج کے تعلقاتِ عامہ کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس بات کو بار بار دُہرایا ہے کہ حکومت اور افواج کو بھی عوام کو اعتماد میں لینا چاہیئے۔ مصنف نے لکھا کہ "جمہوری ممالک کی افواج کے افسرانِ تعلقاتِ عامہ کا کام کچھ اس لئے مشکل ہو جاتا ہے کہ وہاں جرنیلوں کی بے پناہ طاقت اور قابلِ رشک اختیارات کو بعض اوقات عوام زیادہ پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ملک کے کسی ایک طبقہ میں لامحدود اختیارات کا اجتماع جمہوری قدروں کے مفاد کے منافی سمجھا جاتا ہے" مصنف نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر کھل کر باتیں کی ہیں۔ اور بقول زاہد ملک کے "افسرانِ تعلقاتِ عامہ کو چاہیئے کہ وہ حقائق کو کسی صورت میں نہ چھپائیں"

کتاب کا پیش لفظ جناب الطاف گوہر نے لکھا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب صحافت اور تعلقاتِ عامہ کے طالب علموں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔ اور مغربی پاکستان کی مختلف یونیورسٹیاں اس کتاب کو ایم اے صحافت کے نصاب میں شامل کرلیں گی۔

بقیہ صفحہ ۱۰ سے آگے

۱۷ کروڑ ۴۰ لاکھ ڈالر کے عوض پاکستان کی خوشحالی فروخت کر دی گئی

تھا کہ پورے مغربی پاکستان کو صحرا میں تبدیل کر دے۔ دریائے سندھ کا زیادہ حصہ پاکستان کو ملتا تھا اس لئے یہ تنازعہ بین الاقوامی مسئلہ بن گیا۔ اس موقع پر عالمی بنک اور دوسرے بین الاقوامی اداروں نے مداخلت کی ۱۹۵۴ء میں یہ پیش کش کی گئی کہ پاکستان ستلج، بیاس اور راوی کے پانی سے دست بردار ہو جائے تو بین الاقوامی ادارے اور عالمی بنک اسے ڈیم بنانے اور متبادل انتظامات کرنے کے لئے مالی امداد دیں گے۔ عوام نے اس پیش کش کو مسترد کر دیا لیکن برسراقتدار طبقہ سمجھوتے بازی پر تلا ہوا تھا۔ اس کا موقف یہ تھا کہ "اگر یہ پیش کش قبول نہ کی گئی۔ تو جنگ چھڑ جائے گی اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ بھارت سے سمجھوتہ کر لیا جائے ایسا نہ کیا گیا تو ممکن ہے کہ ان سب کچھ کھو بیٹھیں۔"

ابھی بات چیت جاری تھی کہ مارشل لاء لگ گیا۔ ایوب خان آمر مطلق کی حیثیت سے پاکستان کے سیاسی افق پر نمودار ہوئے موصوف اس حق میں تھے کہ راوی ستلج اور بیاس کو بھارت کے ہاتھوں فروخت کر دیا جائے۔ پاکستان کے فنی ماہرین نے اس منصوبے کی سخت مخالفت کی۔ اس مخالفت کے جواب میں ایوب خاں نے جو کچھ کہا وہ ان ہی کی زبانی سنیئے۔

"مجھے اندازہ ہو گیا کہ انہیں صورت حال کی نزاکت کا پورا پورا احساس نہیں ہے اور ایسی صورت میں کہ ہماری حالت ہر لحاظ سے کمزور ہے وہ انہونی باتوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وہ بزور طاقت اپنی پالیسی منوانے کی بھی کوشش کر رہے تھے اور معاملے کو اس کی انتہائی حد تک لے جانا چاہتے تھے۔ تقریباً تیس چالیس آدمی لاہور کے گورنمنٹ ہاؤس میں جمع ہوئے جہاں میں نے ان سے خطاب کیا میں نے کہا۔۔۔ چونکہ آپ میں سے کسی پر بھی اس کی ذمہ داری نہیں ہو گی اس لئے میں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ پالیسی بھی میری ہی ہو گی۔ فنی تفصیلات کے سلسلے میں جب کبھی مجھے کوئی شک ہو گا تو میں آپ حضرات سے مشورہ طلب کروں گا۔ لیکن اگر آپ میں سے کسی نے میری پالیسی میں دخل دیا تو میں خود اس سے سمجھ لوں گا اگر اس مسئلے کو سمجھ بوجھ کے ساتھ حل نہ کیا گیا تو عجب نہیں کہ ملک ہی کا خاتمہ ہو جائے" (بحوالہ فرینڈز ناٹ ماسٹرز)

چنانچہ فنی ماہرین کی مخالفت کے باوجود ۱۹ ستمبر ۱۹۶۰ء کو کراچی میں "طاس سندھ کا معاہدہ" ہوا جس پر ایوب خان، پنڈت جواہر لال نہرو اور عالمی بنک کے نائب صدر مسٹر ائلف نے دستخط کئے۔ اس معاہدے میں قرار پایا کہ دس سال کی عبوری مدت کے بعد، جو پاکستان کی درخواست پر تین سال تک اور بڑھائی جا سکتی ہے تین مشرقی دریا۔ راوی، بیاس اور ستلج بلا شرکت غیرے بھارت کے حصے میں چلے جائیں گے۔ اور تین مغربی دریا۔ سندھ، جہلم اور چناب پر پاکستان کا قبضہ تسلیم کیا جائے گا۔ البتہ بھارت کو مقبوضہ کشمیر، مشرقی پنجاب اور ہماچل پردیش کے علاقوں میں مغربی دریاؤں کا پانی محدود تعداد میں استعمال کرنے کی اجازت ہو گی اس عبوری مدت میں پاکستان آبپاشی کا متبادل نظام تعمیر کرے گا۔ جس سے مغربی دریاؤں کا پانی ان نہروں کو دیا جائے گا۔ جو مشرقی دریاؤں سے سیراب ہوتی ہیں متبادل نظام آبپاشی کے لئے سندھ طاس کا منصوبہ بنایا گیا اور "طاس سندھ کی ترقیات کا فنڈ" کھولا گیا جس میں بھارت نے سترہ کروڑ چالیس لاکھ ڈالر دینے کا وعدہ کیا۔ یوں ایک آمر مطلق نے چند سکوں کی خاطر ناموس وطن بیچ دی اور وطن کی شادابی اور ہریالی کا سودا کر لیا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ دس سال کی عبوری مدت پوری ہونے کے بعد بھارت نے راوی، ستلج اور بیاس کا پانی مکمل طور پر روک لیا ہے اور مغربی دریاؤں سندھ، جہلم اور چناب کا پانی بھی بھاری مقدار میں استعمال کر رہا ہے، اس سے مغربی دریاؤں میں بھی پانی کی شدید قلت ہو گئی ہے۔

ون یونٹ کی تنسیخ کے بعد صدر پاکستان نے سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس فضل اکبر کی صدارت میں دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جس کا پروگرام یہ تھا۔

صوبوں کو اپنا موقف پیش کرنے کی تاریخ: ۵ جنوری ۱۹۷۱ء

صوبوں کے موقف کا جواب دینے کی تاریخ: ۵ فروری ۱۹۷۱ء

گفت و شنید:- یکم مارچ تا ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء

کمیٹی کی سفارشات لکھنے کی مدت:- ۱۶ مارچ سے ۱۵ اپریل ۱۹۷۱ء

لیکن حکومت پنجاب نے حکومت سندھ سے گفت و شنید کئے بغیر جس دن ون یونٹ کا خاتمہ ہوا اسی دن "تونسہ پنجاب لنک" کھول دی، اور اسی طرح "چناب جہلم لنک" اپریل ۱۹۷۱ء میں کھول دیا اس موقع پر حکومت سندھ نے احتجاج کیا لیکن کوئی دھیان نہیں دیا گیا۔

حکومت سندھ نے مطالبہ کیا کہ جب تک جسٹس فضل اکبر کمیٹی اپنی سفارشات مکمل نہیں کرتی اور صدر پاکستان کوئی فیصلہ نہیں کرتے اس وقت تک پنجاب اور سندھ کو مساوی مقدار میں پانی دیا جائے ۔۔۔ کے ساتھ حکومت سندھ کو مساوی مقدار میں پانی اس کے ساتھ ہی حکومت سندھ نے انڈس واٹر کمیشن کے چیئرمین مسٹر جلیل الرحمٰن کی برطرفی کا مطالبہ کیا کیونکہ موصوف ہی طاس سندھ کے متبادل انتظام کے ذمہ دار تھے اور انہوں نے دوسرے صوبوں کے مفادات کو نظر انداز کر دیا تھا، حکومت سندھ نے اپنی سفارشات فضل اکبر کمیٹی کو پیش کیں یہ سفارشات ۲۲۱ صفحات پر مشتمل تھیں، لیکن پنجاب کی نوکر شاہی اپنی سفارشات پیش نہ کر سکی، ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو فضل اکبر کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں حکومت پنجاب نے اپنی سفارشات پیش کرنے کے لئے ایک ماہ کا مزید وقت مانگا سفارشات وقت پر پیش نہ کرنے کی وجہ ایسے سیاست دانوں کو جو اپنی سیاست علاقائی تعصبات پر چلاتے ہیں، موقع مل گیا کہ وہ پنجاب اور سندھ کے عوام کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کر دیں حالانکہ جب پانی مناسب مقدار میں دستیاب تھا اس وقت پنجاب کے کاشتکاروں اور سندھ کے ہاریوں کو کیا ملتا تھا؟ بھوک، افلاس،

پانی کا مسئلہ دراصل عوام دشمن نوکر شاہی کا پیدا کردہ ہے۔ جو استحصالی طبقوں کی آڑ میں اس ملک کے عوام کا خون چوس رہی ہے اور اپنا اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے عوام میں علاقائی تعصبات کو پھیلا رہی ہے کہ کہیں وہ متحد ہو کر اس کا تختہ نہ الٹ دیں



مختار رانا (ایم - این - اے)

لائل پور

"آؤ جگہ جگہ ہشت نگر ایسے چراغ جلائیں"

جاذب سہیل

نیشنلسٹ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی مقامی شاخ کے زیر اہتمام ایک مجلس مذاکرہ کا انتظام کیا گیا جس میں مقامی کالجوں کے طلبار کے علاوہ سرگودہا، لاہور اور دیگر علاقوں کے طلبا نے بھی شرکت کی. لائل پور کی تمام بائیں بازو کی سیاسی جماعتوں کے کارکنوں، روشن خیال دانشوروں، کسان کارکنوں اور مزدور ورکروں نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی. مذاکرہ کا عنوان تھا "پاکستان آزادی کے بعد". اس تقریب کے مہمان خصوصی این-ایس-او کی سنٹرل کمیٹی کے رکن اور ممتاز طالب علم رہنما حامد جیلانی تھے. ممبران جیوری پیپلز پارٹی کے رہنما جناب مختار رانا، ایم این اے جناب غلام نبی کلو سیکرٹری جنرل مغربی پاکستان مزدور کسان پارٹی، جناب جاذب سہیل تھے. مجلس مذاکرہ کی صدارت این. ایس. او کی مقامی شاخ کے کنوینر محبوب احمد خان نے کی جبکہ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض ستار حیدر نے انجام دیئے اس انعامی تقریری مذاکرہ میں حصہ لینے والے طلبار میں جناب خالد نیاز زرعی یونیورسٹی لائل پور اول، جناب ایم عالم گورنمنٹ کالج لائل پور دوئم اور جناب علی اکبر عباس میونسپل کالج آف کامرس کے سوئم قرار دیئے گئے.

مجلس مذاکرہ میں بہت طلبا نے حصہ لیا جن میں جناب آصف شاہ زرعی یونیورسٹی، عقیل احمد جامعہ تعلیمات اسلامیہ، عبدالرشید میونسپل کالج آف کامرس، اے نادیم چوہان میونسپل ڈگری کالج، صادق متحاصم صدر کرسچین اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن لائل پور، بیٹرک جوزف اور جناب نعیم رضا کے نام قابل ذکر ہیں، اوّل، دوئم اور سوئم انعامات کے علاوہ سات انعامات حوصلہ افزائی کے لئے تقسیم کئے گئے.

طلبار کی اکثریت نے پاکستان میں اکثریتی طبقے کی بدحالی اور طبقاتی تضاد سے پیدا شدہ جانکاہ مسائل کا معاشی تاریخی، سیاسی اور سماجی حالات کے تحت بھرپور جائزہ لیا. اور تمام تر برائیوں کا حل عوامی جمہوری انقلاب تجویز کیا. طلبا نے عوام میں طبقاتی شعور پیدا کرنے، مزدوروں اور کسانوں میں انقلابی تڑپ پیدا کرنے کے لئے اپنی گرانقدر مساعی کو مربوط کرنے کا عزم کیا. آزاد ایشیا کے مصنف اور مشہور انقلابی شاعر خان ناہید نواز خان نے ہشت نگر کے بارے میں اپنی انقلابی نظم پڑھی تو فضا "تمہارا نگر، تمہارا نگر، ہشت نگر، ہشت نگر" اور "انقلاب کا راستہ ہشت نگر، ہشت نگر" کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی.

تقریب کے مہمان خصوصی جناب حامد جیلانی نے اپنی تقریر میں این، ایس، او کی تشکیل کے اغراض و مقاصد کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے مزدور کسان طلبار اتحاد پر زور دیا اور کہا کہ انقلاب کا ہراول دستہ مزدور کسان ہوتے ہیں اس لئے طلبار کو ان سے گہرا اور مستقل رابطہ قائم کر کے ان میں عوامی جمہوری انقلاب کے لئے تنظیم کی خوبیوں کو اجاگر کرنا چاہیئے. انہوں نے یقین دلایا کہ طلبار ہر حالت میں اور ہر قیمت پر مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں کے ساتھ رہیں گے انہوں نے کہا کہ ملک سے جاگیرداری، سرمایہ داری اور سامراج کے مکمل خاتمے کے لئے این. ایس او عوام کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہے.

آخر میں جناب مختار رانا نے اوّل، دوئم اور سوئم آنے والے طلبار کے ناموں کا اعلان کیا. اور اپنی تقریر میں کہا کہ ملک کا محنت کش طبقہ اپنی شاندار روایات کو زندہ رکھتے ہوئے طلبار کے اجتماعی مطالبات کی خاطر ان کے دوش بدوش جدوجہد کرتا رہے گا. اس طرح عوامی انقلاب برپا کر کے ملک و قوم کی تقدیر بدل دے گا. انہوں نے کہا کہ طلبار کی طرف سے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف محنت کش طبقہ کی جدوجہد کو سمجھنا اور ان کے مسائل کے بارے میں معلومات میں اضافہ کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے انہوں نے اس امر کو باعث اطمینان قرار دیا ہے کہ طلبا کی نظر میں ملک میں سوشلزم صرف محنت کش طبقہ ہی لا سکتا ہے.

جناب مختار رانا نے کہا کہ بھارت کی جارحانہ کارروائیوں سے برصغیر میں کسی بھی وقت جنگ کے شعلے بھڑک سکتے ہیں چنانچہ ہمیں خارجہ اور داخلی دونوں محاذوں پر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے. انہوں نے طلبا کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی تقریر و تحریر کی بہترین صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا کریں. اور عملی طور پر کسانوں کی جدوجہد میں شریک ہونے کے لئے ہشت نگر اور سرحد میں مظلوم مزارعین کے بارے میں مجالس مذاکرہ منعقد کریں. کیونکہ ہشت نگر کے انقلابی کسانوں نے ہشت نگر میں انقلاب کا چراغ جلایا ہے ہم سب کا طبقاتی فرض ہے کہ ہم اس چراغ کی روشنی محنت کشوں کے گھر گھر ملک کے کونے کونے میں پھیلا دیں اور جگہ جگہ ہشت نگر ایسے انقلابی چراغ جلائیں.

لاہور

اساتذہ کی ملازمتوں کا تحفظ کیا جائے

نمائندہ الفتح

اساتذہ قوم کے معمار ہوتے ہیں. ستم ظریفی یہ ہے کہ پاکستان میں انہیں جائز مقام نہیں دیا گیا. تعلیم تجارت بن چکی ہے. تعلیمی کارخانوں کے مالکان میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی ہوس دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جب کبھی اساتذہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے آواز بلند کرتے ہیں، تو انہیں برطرف کر دیا جاتا ہے.

مغربی پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن نے ۲۴ر اکتوبر کو گورنر پنجاب کو ایک یادداشت پیش کی ہے. جس میں برطرف کئے جانے والے اساتذہ کی بحالی کے

احکامات جاری کرنے کی استدعا کی گئی ہے اور اساتذہ کے مطالبات پر غور اور سفارشات مرتب کرنے کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یادداشت میں کہا گیا ہے کہ حکومت پنجاب نے غیر سرکاری کالجوں کے اساتذہ کے ضابطہ کار اور ان کی ملازمت کے تحفظ کی ضمانت کے لئے ایک آرڈی ننس نافذ کیا تھا۔ لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ جن اداروں میں آرڈی ننس پر عمل کیا گیا وہاں کی حالت کار مزید خراب اور دگرگوں ہو گئی۔ اور حکومت نے ان بگڑے ہوتے حالات کو درست کرنے کے لئے اپنے وعدوں کے مطابق کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ روز بروز حالات نازک تر صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔

غیر سرکاری کالجوں کے اساتذہ کو حکومت کے منظور شدہ تنخواہوں کے اسکیل سے یکسر محروم رکھا گیا ہے گورننگ باڈیز میں اساتذہ کے نمائندوں کو خوفزدہ اور ہراساں کر کے انہیں بدعنوانیوں اور انتظامی امور پر صرف ہونے والی رقوم کو انتظامیہ کی خواہش کے مطابق خرچ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور جب اساتذہ کے نمائندے ایسی بددیانتی کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اور انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔ چوہدری فضل حسین جو زمیندارہ کالج گجرات کے صدر شعبہ فارسی و نفسیات ہونے کے ساتھ ساتھ کالج کی گورننگ باڈی کے رکن اور مغربی پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن راولپنڈی ریجن کے صدر ہیں اور عرصہ بیس سال سے زمیندارہ کالج گجرات میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ان کی برطرفی انتظامیہ کے ایک انتہائی اقدام کا بین ثبوت ہے۔ ولائت حسین کالج ملتان، خانیوال، ساہیوال، ہارون آباد خان پور، قصور اور وہاڑی کے کالجوں کی انتظامیہ نے بھی اس قسم کے واقعات کو دہرا کر اپنے معاندانہ رویہ کا ثبوت مہیا کر دیا ہے۔

اساتذہ کو ملازمتوں سے برطرف کر دیئے جانے کے مسئلہ کا ایک انتہائی افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ برطرفیاں اس وقت عمل میں آئیں جب کہ محکمہ تعلیم کے ارباب اقتدار کی جانب سے یہ ہدایات جاری ہو چکی تھیں کہ کسی غیر سرکاری کالج کے استاد کو اس وقت تک ملازمت سے برطرف نہ کیا جائے۔ جب تک نئے قواعد و ضوابط وضع نہیں کئے جاتے۔ انتظامیہ کی یہ دیدہ دلیری اور حکومت کے احکامات سے روگردانی ان کے ایسے اقدامات ہیں۔ جو اساتذہ میں عدم اعتمادی اور تشکوک کے رجحانات کو تقویت دے رہے ہیں۔ بے چینی اور اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ اور عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کالج کی انتظامیہ اور حکومت کے متعلقہ حکام نے نہایت عیارانہ طریقے سے اساتذہ کو اس جال میں پھنسا لیا ہے اور اساتذہ کو اس چنگل میں پھنسانے کا مقصد محض یہ معلوم ہوتا ہے کہ افسران بالا اس آرڈی ننس کی تنسیخ کا کوئی بہانہ تلاش کر سکیں۔

یادداشت کے آخر میں گورنر پنجاب سے اپیل کی گئی ہے کہ برطرف کئے جانے والے اساتذہ کی بحالی کے احکامات جاری کئے جائیں۔ اور ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی مقرر کی جائے جو اساتذہ کی برطرفی کے آرڈی ننس میں ایسی ترامیم کرے جس سے اساتذہ کی ملازمتوں کے تحفظ کی ضمانت ہو سکے اور حکومت کے منظور شدہ تنخواہوں کے اسکیل اور وہ تمام مراعات جو سرکاری کالجوں کے اساتذہ کو حاصل ہیں۔ کی سفارشات کا اعلان کرے۔

بقیہ: روزنامہ غالب سے روزنامہ جنگ تک

کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس ملک میں اُردو کبھی نہیں مر سکتی اور اُردو یونیورسٹی ایک روز قائم ہو کر رہے گی اب اس کے قیام کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔"

مولوی صاحب کھڑے ہو کر تقریر کر کے اتنے تھک گئے تھے۔ کہ وہ بچوں کو آٹو گراف بھی نہ دے سکے۔ جلدی سے گھوڑا گاڑی منگوا کر انہیں انجمن واپس بھجوایا گیا۔ جلسہ بحد کامیاب رہا بہت سے ننھے بچے بزم امروز کے رکن بن گئے مزید چندہ اکٹھا ہو گیا۔ بزم کے اراکین کے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ اپنے آپ کو زیادہ ذمہ دار سمجھنے لگے۔ بزم کا نام مشہور ہوا اور نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ طفیل احمد جمالی نے ان دنوں "امروز" میں فکاہیہ کالم لکھتے تھے۔ اس اجلاس پر ایک رپورتاژ لکھا جو ادارتی صفحہ پر شائع ہوا۔ بڑے ادیب بھی "بزم امروز" کا نام جان گئے۔ اور جب کبھی ان کو بزم کے جلسوں میں بلایا گیا کسی نے تذبذب کا اظہار نہیں کیا۔ بزم کے تنقیدی جلسے پہلے اُردو کالج میں ہوتے رہے۔ پھر آرٹس کونسل میں ہونے لگے ان جلسوں میں بطور مہمان خصوصی فیض احمد فیض، ہاجرہ مسرور ابراہیم جلیس، سید محمد تقی، ابوالفضل صدیقی، عالیہ امام، مرزا ظفر الحسن، عمر مہاجر، حمید نسیم، زیڈ اے بخاری، پیر علی محمد راشدی رئیس امروہوی، جون ایلیا وغیرہ شریک ہوئے۔ کبھی کوئی باہر کی ممتاز ادبی شخصیت کراچی آئی تو اس کے اعزاز میں ایک تقریب کروائی گئی جاپان اور پراگ یونیورسٹیوں کے اُردو کے اساتذہ بھی ان ممتاز شخصیتوں میں شامل ہیں۔ جنہوں نے بڑے فخر اور مسرت کے ساتھ بزم کی استقبالیہ تقریبوں میں شرکت کی۔

دو سال کے بعد بابائے اُردو کا انتقال ہوا تو بزم اپنے سب سے بڑے سرپرست اور رہنما سے محروم ہو گئی اس وقت اخبار "امروز" کراچی بند ہو چکا تھا۔ مگر "بزم امروز" قائم تھی۔ مولوی صاحب کے جنازہ میں بزم کے اراکین بھی شریک ہوئے ان کی یاد میں انجمن ترقی اُردو نے جس بڑے تعزیتی جلسہ کا اہتمام کیا اس میں "بزم امروز" کا تعاون بھی شامل تھا۔ اس کے بعد مولوی صاحب کی ہر برسی پر یعنی ۱۶ اگست کو "بزم امروز" کا بڑا جلسہ ہوتا رہا کیونکہ یہی "بزم امروز" کی تاسیس کی تاریخ بھی تھی۔ اس طرح ہم بزم کی سالگرہ اور مولوی صاحب کی برسی ایک ساتھ مناتے رہے اور ہر برسی پر بزم کے اراکین انہیں خراج تحسین پیش کرتے رہے۔ ان کے علاوہ تنقیدی جلسے، مباحثے، مشاعرے اور عید ملن پارٹیاں ہوتی رہیں۔ اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت مختصر وقت میں کئی اچھے ادیب اور مقرر پیدا ہو گئے۔ ان میں سے آج بھی بہت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ کوئی کسی رسالے کا ایڈیٹر ہے تو کوئی کسی کالج کا لیکچرار یا کسی بڑے عہدے پر فائز۔ ان میں پیپلز پارٹی کی رہنما ڈاکٹر شمیم زین الدین خان کی بہن نعیم ارشاد، نگار، نوشابہ صدیقی، انور افسر شعور، قدسیہ خان، عارفہ شمسہ، ایم الیاس، فصیح چغتائی شاہد حسین بخاری، بدر امروہوی، پروفیسر رشید، نسیم خانم وغیرہ شامل ہیں۔

"بزم امروز" میرے انجام میں چلے جانے کے بعد بھی قائم رہی اور درحقیقت اب بھی قائم ہے۔ مگر یہ پہلے کی طرح فعال نہیں رہی۔ وجہ یہ ہے کہ انجام کے بعد کسی اور جگہ بچوں کا صفحہ میرے پاس نہیں رہا۔ اگرچہ بزم کے جلسے ہوتے رہے۔ مگر اراکین سے رابطہ کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ پہلے تو جلسوں میں شرکت کے لئے اندرون سندھ سے بھی لڑکیاں اور لڑکے کراچی آ جاتے تھے اب ان سے مراسلت کے سوا کوئی رابطہ نہیں رہا۔ مقامی اراکین کی دلچسپی کچھ تو اس لئے کم ہو گئی کہ ان کی تخلیقات بالالتزام نہیں چھپتی تھیں۔ دوسرے بہت سی لڑکے لڑکیاں جن کی عمریں سولہ سترہ سال تھیں وہ اب خود بچوں کے باپ اور مائیں بن چکی تھیں۔ لڑکے ملازمتوں میں الجھ گئے اور لڑکیاں تعلیم سے فارغ ہو کر بیاہ دی گئیں۔ بزم کے نئے اراکین بنانے کے لئے مہم اس لئے موثر ثابت نہ ہو سکی کہ اخبار کا ذریعہ ختم ہو گیا تھا۔ بہرحال "بزم امروز" نے کراچی اور دوسرے علاقوں کے نئے لکھنے والوں کو آگے بڑھانے اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں بہت مدد کی۔ اس کو کراچی کے ادبی اور تعلیمی حلقے آج بھی تسلیم کرتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

سُورج طلوع ہو کر رہے گا۔ نور بکھر کر رہے گا

سامع

سنو! آواز آ رہی ہے۔

سنو! فدائیاں لیلیٰ اقتدار، عاشقانِ ہوس، بازی گرانِ سیاست، کشتگانِ مژگانِ عوام جمہور سے کٹ کر حاکمیت کے نشے میں پھر سے جھولیاں پھیلائے اپنے اپنے کٹورے بجا رہے ہیں۔

سنو! اب کے ان کٹورے والوں نے اپنی ناتواں خواہشات، آرزوؤں، امیدوں، آس نراس کو بر لانے اور لیلیٰ وزارت کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانے کے لئے نئی چال چلی نیا جال بنا ہے، یہ جال، یہ چال ترپّے چال ہے لیکن ان کا رنگ پھر بے رنگ ہے یہ بے رنگ رنگ نہ ہوگا، یہ جال ان کے لئے پھر وبال ہوگا۔

سنو! ان کے کٹوروں کی کھنک، ان کے کٹوروں کی کھنک کی جھنک، اور اس جھنک کا نیا روپ بہروپ، قومی اسمبلی میں انہیں یوں ابھارے گا۔ کیونکہ جمہوری پارٹی کے کٹورے میں ۲۳ نشستیں سما پائیں ۱۹ نشستیں جماعت اسلامی کے کشکول میں ڈال دی گئیں۔ ۹-۹-۹ نشستیں تین سوکنوں کے کٹورے میں بھر دی گئیں، اور نظامِ اسلام ۴ نشستوں پر قناعت کر گئی۔ اور پی پی پی۔ کی راہیں مسدود کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ہزار جتن کئے گئے، جمہور کی آواز دبانے کی بھرپور سعی۔ سعیٔ ناکام مگر اکثریت انہیں پھر بھی حاصل نہ ہو سکی۔

سنو کشکول والے صدا لگا رہے ہیں۔

"پی پی جس نے صرف دو صدیوں میں اکثریت حاصل کی ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ مصنوعی طور پر اکثریتی پارٹی کے مقام پر بٹھا کر حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں تھما دی جائے اور وہ اس بوگس اکثریت کے بل پر قائم شدہ حکومت کے ذریعے من مانا دستور اور اجتماعی نظام ملک پر مسلط کر کے یہاں اپنی آمریت قائم کرے... جس کا انجام سخت تباہ کن ہو..."

یہ آواز امیر جماعت کی ہے جنہیں عوام نے رد کر دیا تھا، جنہیں جمہور نے دھتکار دیا تھا۔ جن کی جماعت قومی انتخابات میں صرف ۴ نشستیں حاصل کر سکی۔ یہ جناب قائم مقام امیر ۸۰ نشستیں حاصل کرنے والی پارٹی کے بارے میں فتویٰ دے رہے ہیں۔ ان کی جماعت کے کشکول میں اب صرف ۱۹ نشستیں بطور خیرات ڈال گئی ہیں۔

"تاکہ یہ بھی چپہ سواروں میں شامل ہو سکیں"

سنو! یہ آواز امیر جماعت کے رفیقِ سفر کی ہے

وہ پھر سے

جھولیاں پھیلائے

اپنے اپنے کٹورے

بجا رہے ہیں

"پی پی کے مقاصد بالکل واضح اور متعین ہیں۔ پی پی ایک خاص قسم کا سیاسی اور معاشی نظام قائم کرنا چاہتی ہے۔ اور پی پی کا نظام۔

اسلام ہمارا دین ہے

سوشلزم ہماری معیشت ہے۔

جمہوریت ہماری سیاست ہے۔

ان کٹوروں والے کے سر تال میں نہیں ہیں کٹوروں کے سر اور تال میں نہیں نہیں، ان کی کھنک جھنک کے الاپ کا ملاپ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔

سنو کٹوروں والے کے سر نکلے ہی تھے کہ تال بے تال ہو گئے۔ قائم مقام امیر جماعت کا ایوب خانی کاسہ لیس وحید خان بقائمی ہوش و حواس اپنے حالیہ بیان میں اپنی مستند رائے پیش کرتا ہے۔

"افسوس یہ ہے کہ خود مولانا مودودی اور ان کے ساتھیوں میں صحیح سیاسی اندازے لگانے اور اپنی طاقت کا صحیح وزن کرنے والا تجزیہ موجود نہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ گذشتہ دس بارہ برس میں اسلام کے بنیادی مسائل کی تعبیرات اور تاویلات کے متعلق جماعت اسلامی کی پالیسیوں میں اتنے تغیرات ہو چکے ہیں کہ سیدھے سادھے مسلمانوں کے لئے جماعت اسلامی کے اسلام کو سمجھنا ذرا مشکل ہو گیا ہے"۔

سنو! اسلام تو خیر البشر نے چودہ سو سال پہلے پیش کیا تھا۔ یہ جماعت اسلامی کا کون سا اسلام ہے؟ اسلام تو سیدھا سادا تھا۔ اسلام نے بھوکے کے لئے روٹی کا وعدہ کیا تھا ننگے کا تن ڈھانپنے کی ضمانت دی تھی، اسلام نے بدو کو خلیفہ کا گریبان پکڑنے کی جرأت عطا کی تھی، اسلام میں آدمی اپنے تقویٰ اور نیکی کی وجہ سے برتر تھا۔

جماعت اسلامی کا "اسلام" مسلمان جمہور کے ہاتھوں سب سے بڑی اسلامی مملکت میں مار کھا گیا۔ مسلمان جمہور نے "مساواتِ محمدی" کو ووٹ دیا، محمدی مساوات ۱۴۰۰ سال سے جیت رہی ہے اور آئندہ بھی

جیتے گی۔ اور بے چارا وحید خان چیخ رہا ہے۔

"ہمیں یہ بات پوری جرأت کے ساتھ تسلیم کر لینی چاہئے کہ گذشتہ انتخابات حاکمیت عوام کے DEMO CRACY نہیں بلکہ عوامیت MO - BO CRACY سے مظہر تھے۔

یہ وحید خان۔ جس کو عوام کا اعتماد کبھی نصیب ہی نہیں ہوا۔ یہ وحید خان جس نے ایوبی آمریت کی تاریکی کا سہارا لے کر شمع جمہوریت مادر ملت کی توہین کی، بانیٔ پاکستان کی ہمشیرہ اور ایوبی آمریت کو للکارنے والی۔ محترم خاتون کے بارے میں تحقیر آمیز لہجے میں کہا "مس فاطمہ جناح نے کیا دیکھا ہے؟" یہ موبوکریسی اور ڈیموکریسی کو کیا جانے۔ اس کو اس کے حال پہ چھوڑ دو

سنو! گدایان اقتدار، عاشقانِ ہوس بازی گرانِ سیاست، کشتگان مژگان عوام، جانے وقت کے گنبد کی گونج تمہاری سماعت پر گراں کیوں گذری، تم سنتے کیوں نہیں، صرف سنانے پر ہی اصرار کیوں ہے؟

سنو! وقت فیصلہ دے چکا ہے، دربارِ وطن میں حاکمیت صرف عوام کی ہو گی تم اسے حاکمیت عوام کہہ لو یا عوامیت تمہارے دن لد چکے تمہارے مقدر میں سیاہیاں لکھی جا چکیں۔ مسند نشینوں اور ان کے کاسہ لیسوں کا دور گذر گیا یہ خاک نشینوں اور بوریا نشینوں کا دور ہے یہ ابو ذر کا دور ہے۔ یہ سیدھے سادھے اسلام کا دور ہے جس میں مسند نشین بوریا نشینوں کو جواب دہ ہوں گے۔ الجھاؤ، تاویلات اور تعبیرات کا دور ختم ہوا۔ عملی تعبیروں کا وقت آ پہنچا۔ یہ کشتگانِ راہ حق و خدا کا۔ دور ہے یہ دور ۲۲، ۱۹، ۹۰، ۹، ۹ یا ۷، ۶ نشستیں بانٹنے سے رک نہ سکے گا۔ اس دور کا وعدہ ہے کے یاران سر بل پاکستان کی منزل کی طرف چلے تھے، پاکستان جس کا نعرہ بنگالی نے لگایا تھا جس پر لبیک پنجاب نے کی تھی۔ جس کی گونج اسلامیان ہند میں پھیل گئی تھی اور جس نعرے کی پاداش میں پنجاب تن بریدہ ہو گیا، پنجاب برہنہ ہو گیا، پنج دریاؤں کی سرزمین خون میں نہا گئی۔ بولو لٹے تن کے سامریو! بولو واہ کے بیوپاریو، بولو خوشاب کے کاسہ لیسو! بولو، خان گڑھ کے حقہ کشو! بولتے رہو۔ اور اتنا بولو کہ تمہارے حلق خشک ہو جائیں اور زبانیں سوکھ جائیں۔ مگر حق کی آواز کو دبانا اب تمہارے اختیارات میں نہیں ہے یہ خوشبو کی طرح پھیل رہی ہے پھیلتی جائے گی پھیلتی رہے گی۔ یہ سورج طلوع ہو کر رہے گا، نور بکھر کر رہے گا

کھیل

وہ ۱۳ مہینے میں چار مرتبہ غیر ملکی دورے پر گئے

پاکستان ایتھلیٹکس فیڈریشن پر

ایک سابق پولیس افسر کا قبضہ

لطافت علی صدیقی

اس وقت تقریباً کھیل کی تمام تنظیموں پر چند پیشہ ور قسم کے عہدیداروں کی اجارہ داری ہے۔ پاکستان ایتھلیٹکس فیڈریشن پر بھی ایک سابق پولیس افسر کا قبضہ ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کے قابلِ عمل نسخے پر تیزی سے عمل پیرا ہیں اس تنظیم کی کہانی اور کام کی نوعیت دوسری تمام تنظیموں سے مختلف ہے۔ دوسری تنظیموں میں جب حالات سازگار ہوتے ہیں تو الیکشن کرا دیتے جاتے ہیں۔ سیکرٹری یا صدر کو جب ٹیم کے ساتھ باہر جانا ہوتا ہے تو میٹنگ بلا لی جاتی ہے لیکن پاکستان ایتھلیٹکس فیڈریشن کے سیکرٹری مسٹر ابوالحسن اس قسم کے الیکشن اور میٹنگوں پر سرے سے یقین ہی نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں "یہ وقت اور پیسے کی بربادی ہے"۔ مسٹر ابوالحسن نے گذشتہ دو سال سے فیڈریشن کی کوئی میٹنگ نہیں بلائی۔ آپ نے خود کو چار مرتبہ ٹیم کا مینجر بھی منتخب کیا ہے۔ یہ حضرت انتہائی "خوش نصیب" انسان ہیں۔ گذشتہ ۱۳ مہینوں میں چار بار غیر ملکی دورے پر گئے۔

پچھلے سال دولت مشترکہ کے کھیلوں میں حصہ لینے کے لئے ٹیم کے ساتھ ایڈن برگ (اسکاٹ لینڈ) گئے۔ اس کے بعد دسمبر میں بنکاک تشریف لے گئے۔ جہاں ایشیائی کھیلوں کے مقابلے منعقد ہوئے تھے۔ چند ماہ پیشتر انہوں نے دوبارہ تہران اور مغربی جرمنی کا دورہ کیا۔

دو ماہ قبل اپنی ٹیم کے ساتھ خیر سگالی کے مشن پر چین گئے اور ٹیم کے ساتھ چین کے تقریباً ہر علاقے کا دورہ کیا۔ یقیناً یہ صاحب ایک انتہائی خوش قسمت آدمی ہیں۔ کون کہتا ہے کہ ہمارے پاس زرمبادلہ کی کمی ہے یہ کمی کھلاڑیوں کے لئے ہو تو ہو، مگر عہدیداروں کے لئے ہرگز نہیں۔ پولیس کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد مسٹر ابوالحسن اپنے لئے ایک موزوں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس کی ملازمت کے دوران ہو سکتا ہے۔ انہوں نے عوام کی خدمت کی ہو مگر اب کھیل کی ایک تنظیم میں شامل ہونے کے بعد اپنی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مجھے کراچی ایئرپورٹ پر اس "ہنر مند" آدمی سے ملاقات کا موقع ملا جب خیر سگالی کے مشن پر جانے والی ٹیم کے سربراہ کی حیثیت سے وہ چین جا رہے تھے۔ مجھ سے بادل ناخواستہ ملے اور کہا۔ "آپ نے تین بجے صبح کو ایئرپورٹ پر آنے کی زحمت برداشت کی۔ یقیناً آپ میرے خلاف منفی تنقید کریں گے مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ آپ کیا لکھتے ہیں"۔ میں نے جواب دیا۔ "جناب میں یہاں آپ کا انٹرویو لینے آیا ہوں۔ یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں آپ کے خلاف لکھوں گا۔ آپ نے خود اپنا چور ظاہر کر دیا ہے تو مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک سوال کرنے دیجئے۔ آخر آپ کس قانون کے تحت مینجر کی حیثیت سے باہر جا رہے ہیں"؟

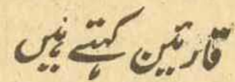
وہ زور سے ہنسے اور کہا۔ "تو اصل بات یہ ہے۔ کس قسم کی اتھارٹی آپ چاہتے ہیں"؟

میں نے جواب دیا۔ "فیڈریشن کے دستور کے مطابق، جس میں کہا گیا ہے کہ فیڈریشن کی ایگزیکٹو کمیٹی منیجر منتخب کر سکتی ہے"۔

"میں چین سے واپسی پر دستور کا مطالعہ کروں گا" انہوں نے طنزیہ جواب دیا۔

اس کے بعد میں نے موصوف سے دوسرا سوال کیا "بہت عرصہ سے ایگزیکٹو کی کوئی میٹنگ نہیں بلائی گئی۔ چنانچہ کسی سلیکشن کمیٹی کے بغیر ٹیم کا انتخاب کس طرح سے ہوا۔ کیا یہ ایک آدمی کا کھیل نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے، آپ جو چاہتے ہیں وہی کرتے ہیں"۔ ان کا جواب مبہم اور گنجلک تھا۔ انہوں نے کہا "ایتھلیٹکس کا پھیلاؤ ہاکی، کرکٹ اور اسی قسم کی دوسری تنظیموں سے قطعی مختلف ہے"۔

باقی صفحہ ۴۱ آخری کالم



مزدوروں کے حق کے لیے آواز بلند کریں

آپ کے اس ہفتہ وار رسالے نے مظلوم عوام کی جو ترجمانی کی ہے وہ قابل تحسین ہے اور جس بیباکی کے ساتھ سامراجی و لنڈ کرشاہی نظام پر تنقید کی جارہی ہے وہ قابل داد ہے دراصل موجودہ حالات میں جو زیادتیاں و مظالم محنت کش کسان پر کئے جارہے ہیں۔ ان کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے فیڈریشن ہذا اس سلسلے میں آپ سے درخواست کرتی ہے کہ مزدوروں پر ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کے متعلق آپ کے اس جریدے میں ایک متواتر سلسلہ جاری کیا جائے۔ کیونکہ دیکھا یہ جارہا ہے کہ مزدوروں پر ہونے والے مظالم کے متعلق ایک آدھ اخبار و رسالے کے سوا دیگر پریس صحیح اور واضح طریقے پر مزدوروں کی آواز کو بلند نہیں کرتا — فیڈریشن ہذا کے ساتھ حیدرآباد اور خیرپور ڈویژن کی مختلف صنعتوں کے مزدوروں کی ٹریڈ یونین وابستہ ہیں پاکستان کے مزدور جن حالات سے دوچار ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مگر ہمارے پاس صحیح اور مکمل معلومات الحاق شدہ ٹریڈ یونین کے مزدوروں کے متعلق نسبتاً زیادہ ہیں۔ علیحدہ علیحدہ صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے حالات اُن پر ہلکان اور لنڈکرشاہی نظام کی جانب سے جو زیادتیاں کی جارہی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ آپ کو باترتیب روانہ کئے جائیں تاکہ مزدوروں کی آواز عوام اور حکومت تک پہنچ سکے۔

مان اللہ قریشی۔ حیدرآباد

غدار شخصیتوں کی رونمائی بھی ہو جائے

آپ کے ہفت روزہ رسالہ "الفتح" کا میں شروع سے مطالعہ کررہا ہوں۔ میں آپ کو یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ آپ کا رسالہ پشاور یونیورسٹی میں بھی مقبول ہے اور ہاتھوں ہاتھ بک جاتا ہے میرے دل اور ذہن میں بہت سی تجاویز ہیں جو آپ کے رسالے کے سلسلے میں دینا چاہتا ہوں لیکن اس خط میں نہیں، انشاء اللہ آئندہ کسی وقت تحریر کروں گا

فی الحال آپ سے ایک درخواست کررہا ہوں ۱۴۔ اکتوبر کو ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے عوام کے سامنے مسٹر بھٹو نے تقریر میں دو شخصیتوں کا نام لیا۔

بھٹو صاحب نے جسٹس کارنیلیس کو لارنس آف عربیا اور باشا آف گلف (GULF) قرار دیا میں (ENGG) کا طالب علم ہونے کے باوجود ایک سے یعنی لارنس آف عربیا سے واقف ہوں اور دوسرے کے متعلق کچھ نہیں پڑھا یہ تو میری حالت اور یقین ہے کہ اس جلسے میں اکثر پڑھے لکھے لوگ ان غدار شخصیات سے ناواقف ہوں گے۔

آپ کا فرض ہے کہ اپنے رسالے کے ذریعے عوام تک ان بدنام شخصیتوں کے متعلق مفصل معلومات بہم پہنچائیں تاکہ وہ اپنے دشمنوں کو پہچان سکے۔

دوسری بات خدا کی بستی کے متعلق ہے میں پچھلے ایک سال سے اس کو بازار میں مسلسل ڈھونڈ رہا ہوں لیکن ابھی تک یہ ناول مل نہ سکا۔ آپ کے پاس اس کی کاپیاں ہوں تو مطلع فرمائیں

خالد خان پشاور یونیورسٹی

یہ سلسلہ پسند آیا

آپ کا شائع کردہ ہفت روزہ "الفتح"، تا ۱۴ اکتوبر پڑھا بہت پسند آیا کہ اسی طرح سرمایہ داروں کو سزا دی جا سکتی ہے۔ خاص کر یہ عنوان "آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے" کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی دلچسپ اور پراسرار کہانیاں بہت ہی اچھی تھیں تعلیم کے سلسلے میں سرگودھا کے متعلق بھی معلومات حاصل کرکے لکھیں، بخاص طور پر میری گذارش ہے کہ ٹاؤن انسپکٹر نذیر (کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی) کے متعلق مزید معلومات حاصل کرکے شائع کریں۔

(ایس ایم فہیم۔ راولپنڈی)

بقیہ: کھیل

اس سے قبل کہ میں دوسرا سوال کرتا۔ انہوں نے مجھ سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے کہا "طیارہ پرواز کیلئے تیار ہے"۔ ہمارے ہاں اس طریقے سے کھیل کی تنظیموں کے عہدیدار اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو اعزازی کارکن کہتے ہیں اور اپنا قیمتی وقت کھیل کی حوصلہ افزائی پر قربان کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ہم موجودہ حکومت سے اپیل کریں گے کہ وہ کھیل کے معاملے پر توجہ دے اور کھیل کی تنظیم کو اقرباپروری اور لوٹ کھسوٹ سے پاک کرے۔ ہم پاکستان پیپلز پارٹی سے بھی اپیل کریں گے کہ وہ اس مسئلے کو اہمیت دے کیونکہ وہ مستقبل میں مغربی پاکستان کے دو بڑے حصے سندھ اور پنجاب میں حکومت بنائے گی۔

کھیل کی تنظیموں میں ایک انقلاب آفریں تبدیلی

ہر بار ایک انقلابی پر لکھئے

آپ نے ۱۴ اکتوبر کی اشاعت میں انقلابی کا کوئی وطن نہیں ہوتا "شائع کیا بہت پسند آیا میری رائے یہ ہے کہ آپ یہ سلسلہ جاری رکھیں اور ہر ہفتے دنیا کے کسی خطّے کے انقلابی کا کارنامہ اور حالات زندگی بیان کریں تاکہ تمام دنیا کے انقلاب پسند شہیدوں کے حالات معلوم ہوں

فقط محمد یوسف ملیر ہالٹ

ضروری ہے۔ اس کے بغیر تمام تہادعہدیداروں سے نجات حاصل نہیں کی جاسکتی۔

بقیہ: مولوی فرید احمد

ہیں۔ جون کے انتخاب کے بعد حکومت کی جانب سے نکسن کے پاس ایک تجویز پیش کی گئی جس میں مجیب الرحمٰن اور دولتانہ کے اشتراک سے حکومت قائم کرنے کا منصوبہ پیش کیا گیا۔ اس تجویز سے ان تمام باتوں کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ ۱۳ مارچ کو یوسف ہارون کے مغربی پاکستان کا گورنر مقرر ہونے پر مجھے حیرت بہت ہوئی۔ وہ تو نیو یارک میں اپنے آقاؤں کی خدمت کر رہے تھے۔ الطاف گوہر کے مشورہ سے انہیں گورنر مقرر کیا گیا تھا الطاف گوہر نے ایوب خان کو ایک نئی راہ سجھائی تھی اور اس طرح اپنی گرتی ہوئی ساکھ بچانے کی کوشش کی تھی یہ ان کی سازش کی کامیابی تھی۔

دوسرے دن ایچ ایم کے ساتھ فون پر بات چیت ہوئی۔ الطاف گوہر نے ہی جو یوسف ہارون کو گورنر کے عہدہ پر فائز کیا تھا انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ حامد جلال نے افسروں کے ایک اجلاس میں اس کا اظہار کیا۔ الطاف گوہر اس وقت بے حد مصروف ہیں۔ کل رات کو یانکیوں کی ایک پارٹی میں ایچ ایم موجود تھا۔ روجرس میرے بارے میں بڑے اچھے خیالات رکھتا ہے۔ اس سے قبل ایچ ایم نے مجھے بتایا کہ شیریں سی آئی اے کے زیر سایہ کام کرتی ہے۔ اس کا کام ممتاز اور اہم سیاست دانوں سے ملنا اور انہیں اپنے مقاصد کے تحت استعمال کرتا ہے۔ بھٹو سے بھی شیریں کے مراسم ہیں اور شیریں کو بارہا بھٹو کے ساتھ انٹر کانٹی نینٹل میں دیکھا گیا ہے۔ شیریں کی دی ہوئی ڈنر پارٹیوں میں اقوام متحدہ، ڈنمارک اور امریکہ کے سفارتی نمائندوں کے علاوہ حکومت پاکستان کے اعلیٰ افسران بھی موجود تھے شیریں نے مجھے بتایا کہ وہ سنیچر کی صبح کو لاہور جا رہی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ایک امریکی خاتون نے مجھے لفٹ دینا چاہی۔

اس رپورٹ کے اختتام پر میں الطاف گوہر کے بارے میں فرید احمد کا ایک ریمارک پیش کرنا چاہتا ہوں۔ فرید احمد ۲۵ مارچ کی ڈائری میں لکھتے ہیں۔ ریونیو بورڈ کے رکن ابوالاحسان کے ساتھ میں نے ایک گھنٹہ تک گفتگو کی انہوں نے بتایا کہ الطاف گوہر امپیریل بنک میں ایک معمولی ملازم تھے۔ وہاں سے انہیں کسی بھی قسم کا امتحان دیئے بغیر سی ایس پی کیڈر میں بھرتی کیا گیا اور سینیارٹی دی گئی۔ الطاف گوہر نے بدعنوانی، اخلاقی انحطاط اور سازشوں کے ذریعہ وہ شہرت و دولت کے بام تک پہنچ گئے۔"

بقیہ: افسانہ

مرنے والا ہوں' وہ اپنا سر ہلانے لگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سر کے بال نوچنے لگا۔ اور بڑبڑانے لگا۔

"یہ لوگ مرے نہیں ہیں۔ ۔ ۔ ۔ مچھلیاں زندہ ہیں ہر طرف لیکن، کہاں کہاں"

پھر اس نے بار بار پلکیں ہلائیں اور۔ ۔ ۔ ۔ سڑک کی سمت اوپر دیکھا۔ ۔ ۔ ایک سایہ ہلتا ہوا نظر آیا۔

"کمہار ہے کمہار ہے، کمہار ہے"۔

ایک بجلی سی اس کے جسم میں رینگ گئی۔ وہ پر امید رینگتا ہوا کھمبے کی طرف ڈھلان چڑھنے لگا رینگتے ہوئے کھمبے کے قریب پہنچ کر اس نے دیکھا ایک عورت کی لاش عریاں پڑی تھی۔

عورت کی چھاتیوں سے خون بہہ رہا تھا۔ ۔ جسم پر موٹے موٹے پھوڑے تھے۔

اس کے قریب ہی ایک کم سن بچہ زور سے سر ہلا رہا تھا۔ بچے کے ہاتھ اور سر کے بال خون سے رنگین تھے۔ جسم کے پھوڑوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اور ہاتھ میں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ! ناریل تھا۔ !

اس نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے دیکھا:

بچہ ناریل کے ٹکڑوں پر زبان پھیرنے کے بعد کھمبے کے روغن شدہ پیندے کو زبان سے رگڑ رگڑ کر چوس رہا تھا اور۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چوسنے کے بعد روغن کو دانتوں تلے دبانے کی مسلسل کوشش کر رہا تھا

وہ کچھ دیر تک بے حس و حرکت پگلوں کی طرح بچے کو اس کی پشت کے پیچھے چھپا گھورتا رہا پھر۔ ۔ یکایک جوش میں آکر ایک بھوکے گدھ کی طرح اس کی آنکھیں اپنے اپنے حلقوں سے ابھر آئیں۔ ۔ ۔ اور وہ بچے کی طرف بڑھا۔

بچہ اسے دیکھ کر زور سے چیخا اور۔ ۔ ۔ اس نے زور سے۔ ۔ ۔ اس کے منہ پر۔ ۔ ۔ تھپڑ مارا۔ اور کھمبے سے جھپٹ کر زبان سے روغن کو رگڑنے لگا

اس نے زور سے بچے کے جسم کو اپنے دانتوں سے کاٹ لیا۔ اس کے ہاتھوں سے ناریل کے ٹکڑے چھین لئے۔ ان ٹکڑوں کو بچے کی طرح بے تابی سے زبان پر لگا لگا کر کھمبے کے روغن کو چاٹنے لگا بچے نے ایک وحشیانہ چیخ ماری اور ناریل کے ٹکڑوں کے حصوں کے لئے اس کے سر کے بال زور زور سے نوچنے لگا۔

بقیہ: پروفیسر غلام اعظم عوامی عدالت میں

کرنے کی بجائے اپنے بیان پر توجہ دیں۔

احمد رضا: میں عدالت عالیہ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں مشرقی پاکستان گیا تھا۔ میں نے جی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ غلام اعظم صاحب وہاں کے بہت بڑے لیڈر ہیں۔ عوام پر ان کا زبردست رعب ہے۔ اور ان سے زیادہ ان کی جماعت کے رضاکاروں کا ہے۔ جناب عالی وہ اپنے تمام سیاسی مخالفین کا ایسا صفایا کرتے ہیں جس طرح فصل کی کٹائی ہوتی ہے۔ جی۔ اور جی میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں ساری تباہی کی ذمہ داری پیپلز پارٹی پر عائد ہوتی ہے میں عدالت عالیہ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ بھٹو کو ہرگز اقتدار منتقل نہ کیا جائے اور وہ جناب والا جماعت اسلامی زبردست کام کر رہی ہے۔ اس کے رضاکار۔۔

وکیل صفائی: (گھبرائے ہوئے لہجے میں) جناب والا میں۔ میں یہ گواہ پیش کرنا نہیں چاہتا۔ گواہ کا بیان ریکارڈ سے خارج قرار دیا جائے۔

جج: کیوں۔ کیوں؟

وکیل صفائی: مجھے فاضل وکیل عوام کی اس رائے سے پورا پورا اتفاق ہے۔ جس کا اظہار انہوں نے گواہ کے ذہنی توازن کے بارے میں ابھی کچھ دیر پہلے کیا تھا۔

احمد رضا: جناب والا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ نہ میں ذہنی طور پر بیمار ہوں۔ نہ جسمانی طور پر (سینہ تان کر) جی میں بالکل تندرست ہوں۔ روزانہ صبح سویرے اڑھائی سو ڈنٹر اور پانچ سو بیٹھکیں نکالتا ہوں (جلدی جلدی کوٹ اور جوتے اتارتے ہوئے) اگر عدالت کو یقین نہ ہو تو میں ابھی ڈنٹر پیل کر دکھائے دیتا دیتا ہوں۔

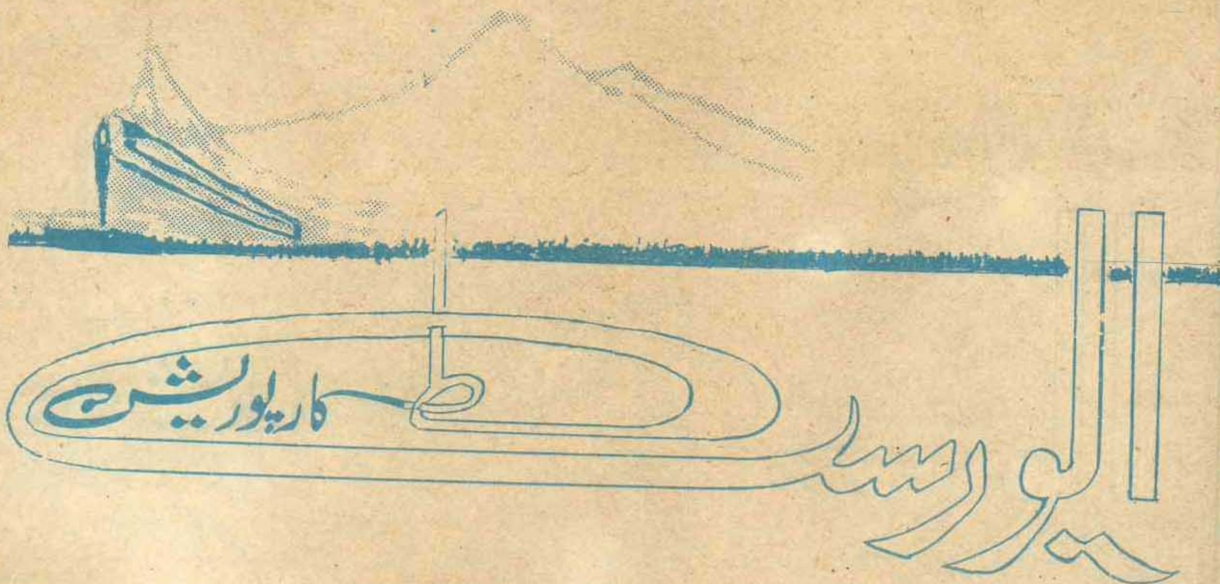
جج: مسٹر یہ بھولو پہلوان کا اکھاڑہ نہیں۔ عدالت ہے عدالت۔

(حاضرین زور زور سے قہقہے لگاتے ہیں۔)

الفتح کراچی

اقوامِ متحدہ میں عوامی جمہوریہ چین کے فاتحانہ داخلہ پر دلی مبارکباد

اس تاریخ ساز کارنامہ پر پاکستان اپنی محبانہ خیرسگالی اور تفاخر کا اظہار کرتا ہے



آئرن اسٹیل، نان فیرس میٹل، کاغذ اور گتہ

مناسب قیمتوں پر درآمد کے لئے ہم سے رجوع فرمائیں

ایورسٹ کارپوریشن (درآمد و برآمد کنندگان)

راولپنڈی والا بلڈنگ، سرائے روڈ - کراچی

فون :- ۲۲۰۸۶۳/۲۲۵۹۰۹

تار کا پتہ / گلیشیر

Reg... S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
4 – 11, NOVEMBER, 1971



امیر جماعت اسلامی پنجاب سید اسعد گیلانی نے گورنر پنجاب سے ملاقات کے بعد ایک پولیس کانفرنس میں مطالبہ کیا ہے کہ پیپلز گارڈ پر پابندی عائد کی جائے اور جماعت اسلامی کی حفاظت کے لیے "مسلم گارڈ" قائم کی جائے ——— (ایک خبر)